مذہب عشق المشہور قصہ گل بکاولی باتصویر

ایچ ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب چوک متی لاہور

۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی کر سخن کو میرے وہ گُل   کہ جس پر مُرغِ دل ہو سب کا بلبل

حمد و ثنا کا گلستان ہمیشہ باغبانِ حقیقی کو سزاوار ہے کہ اسکے لطف سے اسطرف بوستانِ جہان نے آب و رنگ تازہ اور لطافت و طراوت سے غذا دیا پائی۔ پھولوں کی بہار میں ورزیبا عروسوں کے نقش و نگار میں اسی کے نور کی تجلی سمائی۔ خامۂ خشک مغز کا کیا مقدور اور کتنی طاقت کہ اس کا جزو ثنا تحریر کر سکے۔ اور جو حق لکھنے کا ہے بجا لا سکے ہر اک پتی سے گل کی بو عیاں ہے۔ وہی غلب ہے بلبل کی فغاں ہے جو منہ بے بند غنچہ کا چمن میں۔ اسی کا نام لیتا ہے دہن میں۔ اسی کے حکم نے شیرازہ بندی کتاب خاص محبوب میں کی۔ جو عکس روئے لیلے میں آیا۔ تو موئے قیس کو سنبل بنایا۔ جو ابرِ رحمتِ غفار برسے گناہوں کو ہمارے دم میں دھو دے، طراوت پائے اپنی کشتِ اُمید۔ ہری ہو جائے اپنی کشتِ اُمید۔ اگر دل قہر پہ آجائے اس کا۔ سوائے ظلِ حمد پھر نہیں جا +

جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت میں

ہزار ہزار درود اور سلام اس والا حسب عالی نسب پر جو باعث بنائے زمین اور سبب ایجاد کون و مکان ہوا۔ اسکے بُراق کے سُم کا نقش مہر و ماہ کی پیشانی پر درست بیٹھا۔ اسکے مجموعہ امکان سے جہاں سے ایک کتاب اور اس کتاب سے ہستی ہے۔ ایک باب صفحۂ خاک کو دلچسپ دیکھا۔ بیت افلاک میں نہ رہا۔ اس مطلع نور منقطع ظہور نے عناصر کی رباعی اختیار کی۔ بیت ؎

اس حلہ کا نہیں ہے پایاں   کہہ اب تو ثنائے شاہِ مرداں

حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کی منقبت میں

جب صبح کو آفتاب نے قلم شعاعی سے ورق عالم پر آیت نور لکھ کر صفحۂ جہان کو روشن کیا میں نے چاہا کہ دریائے سخن میں غوطہ لگا کر لوٹے بدار جو سخن کے جوہر لیں کو منظوم یوں نکالوں جسطرف غور نگاہ کی ڈھیر کے ڈھیر نظر آئے سوچا کہ انکو کس پر نثار کروں۔ اس تردد و فکر میں تھا کہ یکا

میرے کان میں پہنچا کہ اے غریق دریائے فکر یہ جواہر درخشاں دو مصرعے کے لائق نہیں۔ حضرت علے کے قدموں پر نثار کر یعنی انکی مدح میں زبان کھول۔ وہ شہنشاہ کہ جس کے چہرے کے عکس سے ماہ کے رُخ پر صفائی آئی اور خورشید کے آئینہ نے جلا افزائی۔ اگر ساتوں آسمان کے آیان میں گھوڑا دوڑائے تو ستاروں کے لشکر میں فتور پڑ جائے اے شہنشاہ تیری درگاہ میں میری عرض ہے کہ وارد دیگر قیامت میں اپنے غلاموں کی صف میں رکھنا۔ اور کیا عرض کروں کہ بندہ کو زیادہ عرض کرنی اپنے مولا کی جناب میں کمال گستاخی ہے ؛

وجہ تصنیف کتاب

ناظرین پر روشن ہے کہ شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی اپنے سبب یوں لکھا ہے کہ ایام طالب علمی کے ایام میں اس حقیر کو انشا پردازی کے فن میں رغبت تمام تھی اور مسودہ بھی کاغذ پر لکھ کر رکھ چھوڑتا تھا۔ ایک دوست شفیق رفیق نذر محمد کہ نو برس تک شوریدہ حالی کا مرغ دل اس شمع جمال پر پروانے کی مانند قربان اور ذرہ کی طرح اس خورشید آسمان حسن پر سرگرداں تھا۔ چکور کی مانند خراماں خراماں بیت غزالوں سے کیا لیتی چشم اس کی باج۔ طلب کرتی تھی شیر نر سے خراج نگاہوں کی سی عشوہ سازی تمام کرشمہ میں کرتی تھی عالم کا کام۔ کبھی مستی میں لہر آتی اگر کیا صنم دل کو زیر و زبر ؛ عجب خط سے رونق تھی رخسار کی۔ کہ مصحف میں جدول تھی زنگار کی رگ لعل کا میں جو پاؤں قلم۔ تو کچھ سُرخی لب ہو مجھ سے رقم۔ اور جس طرح ہماری دوستی تھی۔ ویسے ہی محبت میں ہاتھ رکھا۔ اور راہ الفت میں قدم ساتھ رکھا۔ آخر جام لب کو شراب تکلم سے بھر کر آرائش بیانی سے محبت کا بازار گرم کیا۔ یہ شوریدہ محبت بھی اس فرشتہ خیال سے متکلم رہا۔ میرے زانو پر سر رکھ کر کہنے لگا کہ مجھے نیند آتی ہے جبتک میں سوؤں تم بیٹھے کہانی کہو تو میں نے چاہا کہ میں بھی اس سے لپیٹ کر سو رہوں لیکن یہ خیال آیا کہ شاید آشفتہ خاطر ہو اور یہ سوچے کہ میرا کہنا نہ مانا۔ تب وہ قصہ جس کی داستان عشق سے بھری ہوئی تھی۔ اس سرمایہ بہجت کے آگے کہنے لگا بعد اس یار ارجمند کی خواہش اس مسند کو اسیر لائی کہ اس دلچسپ کو فارسی کی عبارت کا لباس پہنا کر نظم و نثر کے زیور سے آراستہ کر کے پسند دیکھنے والوں کے لائق کروں۔ اس اثنا میں عزہ ذی الحجہ کو سنہ ۱۰۲۴ [illegible] زیادہ محبت کو صرصر موت نے اکھاڑ ڈالا۔ اس واقعہ جانکاہ سے مصیبت زدہ [illegible] گئے چاہا کہ اوراق مسودات کو اس زمانہ کے بھی پرزے پرزے کروں لیکن چند

دوستوں نے ایک گوہر یا سماطر ان کا منظور تھا۔ آگے سمجھایا اور کہا بیت آساں بہت ہے لعل بدخشاں کا توڑنا
لیکن بہت محال ہے پھر اسکا جوڑنا۔ بحکم ضرورت آدھے کو فارسی اور آدھے کو اسی طرح رہنے دیا۔ اس
کتاب کے ترجمے کا سبب یہی تھا کہ مستمند نہال چند لاہوری کو کہ اس ضعیف کا مولد شاہجہان آباد ہے۔
اشرف البلاد کلکتہ میں کہ بالفعل ہندوستان کا دار الامارة ہے آب و خورش کھینچ کر لایا اور یہ خاکسار
کپتان ٹریورٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا انکی دستگیری سے صاحب
خداوند نعمت حاتم زمان دستگیر درماندگان منبع جود و الاحسان سرچشمۂ فیض و نجاد دریائے عنایت و
کرامت بحر احسان و کرامت صاحب گلگرسٹ بہادر مدظلہ کے دامن دولت تک دسترس پایا۔ نظم
تنا میں اسکی بجا ہے گر صغیر و کبیر۔ ہزار صفحہ کا غذ سدا کریں تحریر، وہی ہے باغ فصاحت کا نخل عالم میں
گل سخن سے اسی کے شگفتہ دل ہے ظہیر۔ وہی ہے گوہر بحر سخا و کان عطا نہیں ہے اسکا جہاں میں کوئی عدیل و نظیر۔
چراغ عقل سے شمع مراد روشن ہے۔ وہ رات کو مہ انور ہے دن کو مہر منیر۔ بجا ہے قامت موزون پہ خلعت اخلاق
خدا نے اپنی عنایت سے دی اسے توقیر۔ ہر ایک خدمت عالی سے فیض پاتا ہے۔ گواہ دل سے ہے اسباب کا دفقیر
لیاقت اتنی کہاں خاکسار کو اسکے۔ کہ اسکی بخشش و ہمت کو کر سکے تحریر۔ مگر خدا سے دعا مانگتا ہے دن رات۔
سپہر میں رہے جبتک ضیائے مہر منیر۔ سلامت اسکو رکھے احتشام و دولت سے۔ عدو کو اسکے کرے دہر میں ذلیل حقیر
غرضیکہ صاحب بہادر کے تفصیلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی۔ اور امید زیادہ ہونے
لگی۔ اگر بخت مددگار ہے اور یہ امن و دولت اور اپنا ہاتھ ہے تو حشمت قدم کے ساتھ۔ پھر ایک روز خداوند
نعمت نے ارشاد کیا کہ تاج الملوک اور گل بکاؤلی کا قصہ فارسی میں ہے۔ ہندی ریختہ کے محاورہ میں
ترجمہ کر کہ تیری سرخروئی اور یادگاری کا موجب ہوگا۔ اور ہماری خوشنودی کا سبب۔ چنانچہ ضعیف نے
حسب الارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلہ کے موافق فلاطوں فطنت والا شکوہ عالی حشمت فلک مرتبت
مارکوئیس ویلزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد ہندی میں ترجمہ کیا اور نام اس کا "مذہب
عشق" رکھا ہے لیکن سخن رس اور نکتہ دان سے یہ امید ہے کہ جہاں کہیں میدان عبارت میں نشیب و فراز
دیکھیں اصلاح کے قلم سے ہموار کر دیں اور ہیچمدان کو اپنی نوازش سے ممنون فرما دیں ؂

آغاز داستان

کہتے ہیں کہ یورپ کے شہر یاروں میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام۔ جمال اسکا جیسے
ماہ منیر اور عدل و انصاف اور شجاعت میں اور سخاوت میں بے نظیر اسکے چار بیٹے تھے۔ ہر ایک علم و فضل

میرے کان میں پہنچا کہ اے غریق دریائے فکر یہ جواہر درخشاں دو ہمسر کے لائق نہیں۔ حضرت علیؑ کے قدموں پر نثار کر یعنی اسکی مدح میں زبان کھول۔ وہ شہنشاہ کہ جس کے چہرے کے عکس سے ماہ کے رُخ پر صفائی آئی اور خورشید کے آئینہ نے جلا افزائی۔ اگر ساتوں آسمان کے آیان میں گھوڑا دوڑائے تو ستاروں کے لشکر میں فتور پڑ جائے اے شہنشاہ تیری درگاہ میں میری عرض ہے کہ روز دیگر قیامت میں اپنے غلاموں کی صف میں رکھنا۔ اور کیا عرض کروں کہ بندہ کو زیادہ عرض کرنی اپنے مولا کی جناب میں کمال گستاخی ہے ٭

وجہ تصنیف کتاب

ناظرین پر روشن ہے کہ شیخ عزت اللہ بنگالی نے یہ کتاب فارسی میں تصنیف کی تھی اپنے سبب یوں لکھا ہے طالب علمی کے ایام میں اس حقیر کو انشا پردازی کے فن میں رغبت تمام تھی اور مسودہ بھی کاغذ پر لکھ کر رکھ چھوڑتا تھا۔ ایک دوست شفیق رفیق نذر محمد کہ نو برس تک شوریدہ حال کا مرغ دل اس شمع جمال پر پروانے کی مانند قربان اور ذرہ کی طرح اس خورشید آسمان حسن پر سرگرداں تھا۔ چکور کی مانند خراماں خراماں بیت غزالوں سے کیا لیتی چشم اس کی باج۔ طلب کرتی تھی شیر سے خراج نگاہوں کی سی عشوہ سازی تمام کرشمہ میں کرتی تھی عالم کا کام۔ کبھی مستی میں لہر آتی اگر کیا صفحۂ دل کو زیر و زبر ٭ عجب خط سے رونق تھی رخسار کی۔ کہ مصحف میں جدول تھی زنگار کی۔ رگ لعل کا میں جو باؤں قلم۔ تو کچھ سُرخی لب ہو مجھ سے رقم۔ اور جس طرح ہماری دوستی تھی۔ ویسے ہی محبت میں ہاتھ رکھا۔ اور راہ الفت میں قدم ساتھ رکھا۔ آخر جام لب کو شراب تکلم سے بھر کر آرائش بیانی سے محبت کا بازار گرم کیا۔ یہ شوریدۂ محبت بھی اس فرشتۂ خیال سے متکلم رہا۔ میرے زانو پہ سر رکھ کر کہنے لگا کہ مجھے نیند آتی ہے جبتک میں سوؤں تم بیٹھے کہانی کہو تو میں نے چاہا کہ میں بھی اس سے لپٹ کر سو رہوں لیکن یہ خیال آیا کہ شاید آشفتہ خاطر ہو اور یہ سوچے کہ میرا کہنا نہ مانا۔ تب وہ قصہ جس کی داستان عشق سے بھری ہوئی تھی۔ اس سرمایہ بہجت کے آگے کہنے لگا من بعد اس یار ارجمند کی خواہش اس مستمند کو اسپر لائی کہ اس دلچسپ کو فارسی کی عبارت کا لباس پہنا کر نظم و نثر کے زیور سے آراستہ کر کے [illegible] پسند دیکھنے والوں کے لائق کروں۔ اس اثنا میں غرہ ذی الحجہ کو ۱۰۲۴ھ سنہ [illegible] تھا اس زیادہ محبت کو صرصر موت نے اکھاڑ ڈالا۔ اس واقعہ جانکاہ سے مصیبت زدہ [illegible] ہو گئے چاہا کہ اوراق مسودات کو اس زمانہ کے بھی پرزے پرزے کروں لیکن چند

دوستوں نے ایک گوہر پاسخاطر ان کا منظور تھا۔ اگرچہ سمجھایا اور کہا بیت آساں بہت ہے لعل بدخشاں کا توڑنا
لیکن بہت محال ہے پھر اسکا جوڑنا۔ بحکم ضرورت آدھے کو فارسی اور آدھے کو اسی طرح رہنے دیا۔ اس
کتاب کے ترجمے کا سبب یہی تھا کہ مستمند نہال چند لاہوری کو کہ اس نحیف کا مولد شاہجہان آباد ہے۔
اشرف البلاد کلکتہ میں کہ بالفعل ہندوستان کا دارالامارۃ ہے آب و خورش کھینچ کر لایا اور یہ خاکسار
کپتان ڈیورٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سابق سے بندگی رکھتا انکی دستگیری سے صاحب
خداوند نعمت حاتم زمان دستگیر درماندگان منبع جود والاحسان سرچشمۂ فیض و سخا دریائے عنایت و
کرامت بحر احسان و کرامت صاحب گلگرسٹ بہادر مدظلہ کے دامن دولت تک دسترس پایا۔ نظم
ثنا میں اسکی بجا ہے کہ صغیر و کبیر۔ ہزار صفحہ کا غذ سدا کریں تحریر۔ وہی ہے باغ فصاحت کا نخل عالم میں
گل سخن سے اسی کے شگفتہ دل ہے ظہیر۔ وہی ہے گوہر بحر سخا و کان عطا نہیں ہے اسکا جہاں میں کوئی عدیل و نظیر۔
چراغ عقل سے شمع مراد روشن ہے۔ وہ رات کو مہ انور ہے دن کو مہر منیر۔ بجا ہے قامت موزونپہ خلعت اخلاق
خدا نے اپنی عنایت سے دی اسے توقیر۔ ہر ایک خدمت عالی سے فیض پاتا ہے۔ گواہ دل سے ہے اسباب کا فقیر
لیاقت اتنی کہاں خاکسار کو ہے کہ اسکی بخشش و ہمت کو کر سکے تحریر۔ مگر خدا سے دعا مانگتا ہے دن رات۔
سپہر میں رہے جبتک ضیائے مہر منیر۔ سلامت اسکو رکھے احتشام و دولت سے۔ عدو کو اسکے کرے دہر میں ذلیل و حقیر
غرضیکہ صاحب بہادر کے تفصیلات سے بخوبی اس ضعیف کی اوقات بسر ہونے لگی۔ اور امید زیادہ ہونے
لگی۔ اگر بخت مددگار ہے اور یہ امن و دولت دوام اپنا لکھا ہے تو حشمت قدم کے ساتھ۔ پھر ایک روز خداوند
نعمت نے ارشاد کیا کہ تاج الملوک اور گل بکاؤلی کا قصہ فارسی میں ہے۔ ہندی ریختہ کے محاورہ میں
ترجمہ کر کہ تیری سرخروئی اور یادگاری کا موجب ہوگا۔ اور ہماری خوشنودی کا سبب۔ چنانچہ نحیف نے
حسب الارشاد فیض بنیاد اپنے حوصلہ کے موافق فلاطوں فطنت والاشکوہ عالی حشمت فلک مرتبت
مارکوئیس ولزلی نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے عہد ہندی میں ترجمہ کیا اور نام اس کا مذہب
عشق" رکھا۔ ہر ایک سخن رس اور نکتہ دان سے یہ امید ہے کہ جہاں کہیں میدان عبارت میں نشیب و فراز
دیکھیں اصلاح کے قلم سے ہموار کر دیں اور ہیچمدان کو اپنی نوازش سے ممنون فرما دیں ؀

آغاز داستان

کہتے ہیں کہ یورپ کے شہر یاروں میں سے کسی شہر کا ایک بادشاہ تھا زین الملوک نام۔ جمال اسکا جیسے
مہ منیر اور عدل و انصاف اور شجاعت میں اور سخاوت میں بنظیر اسکے چار بیٹے تھے۔ ہر ایک علم و فضل
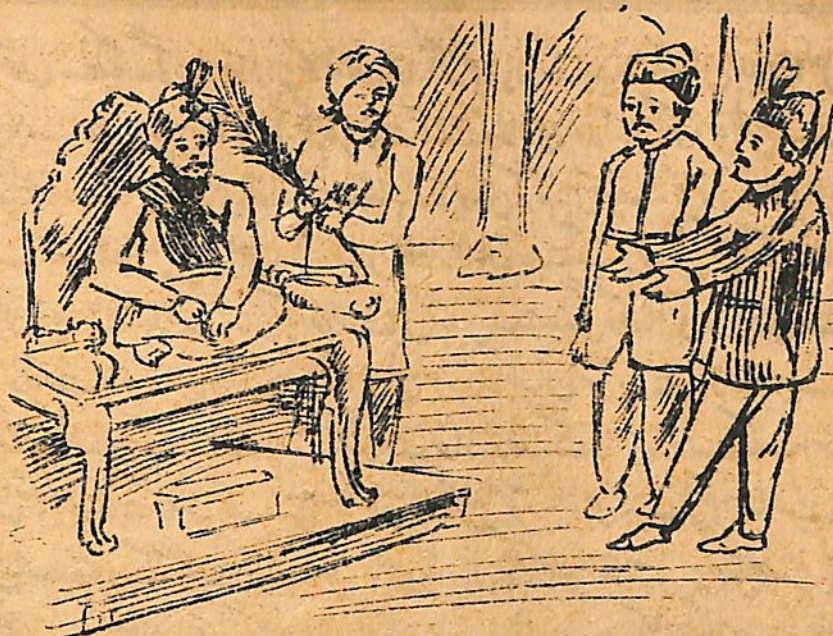
میں علامہ زمان اور جوانمردی میں رستم دوران خدا کی قدرت کاملہ سے ایک اور بیٹیا آفتاب کی طرح جہان
کا روشن کرنیوالا اور چودہویں رات کی طرح اندہیرے کا دور کرنیوالا پیدا ہوا۔ ابیات قمر اُس کی
جبین سے داغ کھائے۔ مہ نو مثل ابرو سر جھکائے۔ اگر چین جبین اسکی تپائے۔ مصور چین کا چین بول جائے
بلا انگیز آنکھیں جادو آمیز۔ مئی گلفام سے دو جام لبریز۔ کبھی دیکھی تھی اس گلرو کی کاکل۔ پریشاں آج تک
ہے حال سنبل۔ جہاں مجروح ہو تیغ نظر سے۔ پلک کے پار ہوں خنجر جگر سے۔ وہ مکھڑا ماہ اگر دیکھے تو تھرائے
قمر کے چہرہ کا بھی رنگ اُڑ جائے عجب اندازہ کا تل گال پر تھا۔ کہ گنج حُسن پر بیٹھا تھا کالا۔ وہ سینہ تختہ بلور
سا صاف۔ یہ کیا کہتا ہوں میں بہتر تھا شفاف۔ ریاض حسن کا سردار سرفراز۔ غرض وہ تھا سراپا مایۂ ناز * بادشاہ نے
باغ باغ ہو کر جشن کیا اور نجومیوں کو بلا کر فرمایا کہ اسکی لگن دیکھو۔ ہر ایک نے لگن کنڈلی کھینچ کر اس کا نام
تاج الملوک رکھا اور کچھ انگلیوں پر گنگنا کر عرض کی کہ یہ باغ عالم میں گل تازہ ہے۔ اسکے نصیبوں میں
دولت دنیوی بے اندازہ ہے صاحب ہمت اِسطرح کا ابتک نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا یقین ہے کہ ایسا شہریار
ہو کہ تمام جہاں بھی مطیع و فرمانبردار ہو مگر ایک قباحت بھی اسکے ساتھ ہے جب بادشاہ کی اس پر نظر پڑے
تو فوراً بادشاہ کی نظروں سے بینائی جاتی رہے۔ بادشاہ نے کچھ ناشاد ہو کر ان کو تو رخصت کیا اور
وزیر نے فرمایا کہ ایک محل میں نہ تفاوت تمام ہماری گذرگاہ سے اس کی ماں سمیت رکھو۔ چنانچہ
بموجب ارشاد کے وزیر محل میں لایا۔ چند سال بعد وہ نونہال باغ سلطنت کا کمال ناز و نعمت سے پرورش پاکر

ہوائے علم وہنر سے سرسبز ہوا ایک روز اسکو شکار کی خواہش ہوئی۔ سوار ہو کر جنگل میں گیا اور ایک شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ سچ ہے کہ ہونیوالی بات بے ہوئے نہیں رہتی۔ ــ تقدیر کے لکھے کو امکاں نہیں دھونا۔ اتفاقاً بادشاہ بھی سوار ہوئے تھے شکار کو ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے اسطرف کو آ نکلے مثل مشہور ہے کہ کانے چوٹ کھونٹے ہی بھینٹ۔ جونہی شہزادہ پر نظر پڑی۔ وہیں آنکھوں کی بصارت جاتی رہی۔ ارکان دولت نے یہ حال دیکھ کر بادشاہ سے سبب نابینا ہونے کا دریافت کیا حضرت نے فرمایا کہ لازم یوں تھا کہ بیٹے کو دیکھنے سے باپ کی آنکھیں اور روشن ہوں سو یہ طرفہ ماجرا ہے کہ برعکس ظہور میں آیا بس اب یہی بہتر ہے کہ اسکو میرے ممالک موروثہ سے باہر نکالدو اور اسکی ماں کے واسطے خدمت جاروب کشی مقرر کر دو۔ یہ فرماکر بادشاہ الٹے پاؤں تخت گاہ کی طرف پھر آیا اور اسے دیس سے نکال دیا ٭

دوسری داستان چاروں بیٹوں کے جانیکی گل بکاؤلی کے واسطے

کہتے ہیں کہ جب بڑے بڑے حکیم مسیحا خصلت اور بوعلی طبیب آنکھوں کے علاج کے لئے بلائے سب نے متفق ہو کر کہا کہ گل بکاؤلی کے سوا اور دوا سے ممکن نہیں کہ بادشاہ شفا پائے اگر کسی صورت سے گل بکاؤلی پیدا ہو۔ تو حضرت کیا بلکہ اندھا مادرزاد بھی آنکھیں پائے یہ سنکر بادشاہ نے اپنے تمام ملک میں منادی کرا دی کہ جو گل بکاؤلی پیدا کرے یا اسکی خبر لاوے تو اسکو بہت انعام و اکرام دیکر نہال کروں۔ اسی طرح بادشاہ نے ایک مدت تک اسکے انتظار میں رو رو کر حضرت یعقوب کی طرح اپنی آنکھوں کو سفید کیا اور اس غم میں مانند حضرت ایوب کی اپکو گھلا دیا ہر چند کہ خون جگر پیا لیکن کسی طرف سے کچھ اس کا سراغ نہ ملا ایک روز چاروں بیٹوں نے بادشاہ کی خدمت میں دست بستہ عرض کی کہ سعادتمند وہی لڑکا ہے جو ماں باپ کی خدمت بجا لائے اور اگر سعی و کوشش میں جان دے تو وہ سعادت دارین پائے اسواسطے ہم امیدوار ہیں کہ ہمیں رخصت فرمایئے تو گل بکاؤلی کی تلاش میں نکلیں بادشاہ نے فرمایا کہ ایک تو آگے ہی میں اپنی آنکھیں کھو بیٹھا ہوں نور چشم کو رو بیٹھا ہوں وہ داغ ابتک جگر سے نہیں گیا۔ جو چشم و چراغ کو میں برباد کس طرح ہونے دوں یہ صدمہ دیدہ و دانستہ دل پر لوں۔ شہزادوں نے پھر عرض کی تب ناچار بادشاہ نے رخصت دی اور وزیروں سے فرمایا کہ اسباب سفر کا مہیا کر دو۔ انہوں نے بموجب حکم بادشاہ کے نقد و جنس و اسباب خیمہ جتنا درکار تھا موجود کر دیا تب بادشاہ سے رخصت ہو کر شہزادوں نے اپنا رستہ لیا شہزادے منزل بمنزل جاتے تھے اتفاقاً تاج الملوک کو کہ باپ نے شہر بدر کیا تھا دشت آوارگی کو قدم پریشانی سے ناپتے ناپتے دور جا کر کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کہاں جاتے ہیں اسنے بادشاہ کے اندھے ہونے کا سبب اور

اسکے سفر گل بکاؤلی کی تلاش میں تاج الملوک سے بیان کیا۔ شہزادہ نے دل میں کہا کہ اٹھ بخت کو تو
بھی آزما" مصلحت یہ ہے کہ میں بھی بھائیوں کے ساتھ گل بکاؤلی کی جستجو کروں اور اپنی زر قسمت کو محک امتحان
پر کسوں۔ اس میں اگر دامن کو گل مراد سے بھروں تو فہو المراد نہیں تو اس وسیلہ سے باپ کے ملک سے
باہر نکلوں۔ یہ دل میں ٹھان کر ایک مرد کے پاس آیا کہ نام اس کا سعید تھا اس کو باادب سلام کیا۔ اسکی
نظر جو شہزادہ پر پڑی تو دیکھا کہ اسکے گالوں کی چمک خورشید کی روشنی کے ساتھ برابری کر رہی ہے اور
چاندسی پیشانی زلف شبرنگ کے پہلو میں ماہ تمام کی طرح جلوہ گری کر رہی ہے اسنے پوچھا کہ تم کون
ہو اور کہاں سے آنا ہوا۔ تاج الملوک نے عرض کیا کہ میں بیچارہ غریب مسافر ہوں اور بیچین آشفتہ خاطر
ہوں نہ کوئی غمگسار ہے کہ غمخواری کرے نہ یار ہے کہ شرط یاری بجالائے نہ کوئی مددگار ہے کہ مدد کرے
سعید نے اس یوسف ثانی کی شیریں زبانی سے محفوظ ہو کر بصد آرزو و خواہش اپنی رفاقت میں رکھا
اور ہر روز عنائت زیادہ کرتا تھا کہتے ہیں کہ شہزادہ ایک مدت کے بعد شہر فردوس میں کہ تخت نشین
وہاں کا رضوان شاہ تھا پہنچے اور شام کے وقت دریا کے کنارے اس ارادے سے کہ چند روز یہاں
ٹھہریں خیمے استادہ کئے جب مسافر آفتاب ملک مغرب کی سیر کو گرم ہوا اور ماہتاب سیاہ رات کے مشکی
گھوڑے پہ سوار ہو کر مشرق کی طرف سے باگ اٹھا کر چلا تب چاروں شہزادے اپنے اپنے سمند باد رفتار پہ سوار ہو کر
بطریق سیر شہر میں آئے اور ادہر ادہر گشت کرنے لگے ناگاہ ایک محل منقش و مکلف کہ جسکے دروازوں
پر جابجا زردوزی پردے پڑے تھے نظر آیا وہاں کے باشندوں سے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے
اسنے جواب دیا کہ اسکی مالک دلبر بیسوا ہے۔ شہزادوں نے کہا۔ اللہ اکبر یہ محل بادشاہی اس نے
کہاں سے پایا وہ شخص پھر کہنے لگا کہ یہ رنڈی اس زمانہ میں یکتا ہے کہ ملاحت میں بے ہمتا ہے۔
شہرہ آفاق اپنے کام میں طاق اور رعنائی و زیبائی میں نہائیت دلجوئی اور دلربائی میں نہائیت خوبرو۔
چشم خورشید مدام اسکے شمع جمال پر پروانہ کی طرح شیدا اور چہرۂ ماہتاب دوام اس کے مکھڑے پر فدا
ابیات مع کسی نے راہ میں اسکی اگر قدم مارا۔ تو اپنی عقل کی فہرست پر قلم مارا۔ اس نے تجدید ناموس و ننگ
کو اپنے۔ کہ جس نے ذرا بھی خواہش میں اسکی دم مارا۔ صاحبان معاشرت کے واسطے ایک نقارہ مع چوٹ
اسنے اپنے دروازے پہ رکھا ہے جو کوئی اسے جا کر بجائے وہ عیارہ زمانہ کی اسے گھر میں بلائے
اور لاکھ روپیہ لے اور تب اس سے ملے۔ شہزادے کہ اپنے مال و دولت پہ نہائیت مغرور تھے۔
نشۂ بادۂ نخوت سے چور تھے نشان ہمت اسکے میدان شوق ملاقات میں بند کر کے دروازے پر گئے
اور جاتے ہی بے تحاشہ نقارہ بجادیا سنتے ہی اس مکارۂ دوران نے دل میں کہا الحمد للہ مدت مدید

کے بعد کسی ایسے بدبخت نے میرے گھر کا قصد کیا ہے چاہیئے کہ میرے حجرے کو روشن کرے اور ایسے
موٹے تازے شکار نے میرے جال میں آنیکا ارادہ کیا اغلب ہے کہ میرے دام میں پھنسے پھڑک پھڑک کر
مرے مثل مشہور ہے کہ یہ طائفہ اسی تردد میں رہتا ہے کہ کوئی عقل کا اندھا اور گانٹھ کا پورا آکلے سو خدا نے
ویسے ہی شخص کو بھیجدیا جھٹ پٹ بناؤ سنگار کر کے زیور مرصع لعل موتی ہیرے نے مرد جا بجا پہنکر بڑی آن
بان سے بن ٹھن کر بیٹھی یہ بھی آ پہنچے۔ چند قدم استقبال کر کے ہر ایک کو سونے کی کرسی پر بٹھایا اتنے
میں کچھ رات گئی کہ ساقیان گلعذار شیشہ شراب و ساغر زرنگار لیکر حضور میں آئے اور جام کو گردش میں لائے
اسیطرح آدھی رات گئی تب اس عیارہ نے کہا اگر اجازت ہو تو تختہ نرد منگواؤں کہ باقی رات اس شغل میں بسر ہو
کہ سحر ہو شہزادوں نے کہا منگواؤ اس سے کیا بہتر ہے مکارہ نے ایک بلی کے سر پر چراغ رکھا اور لاکھ روپیہ
کی بازی لگا کر کھیلنے لگے۔ کہنے والے نے یوں کہا ہے کہ شہزادوں نے اس آدھی رات کے عرصہ میں
پچاس لاکھ روپے ہار دیئے اسکے بعد جب خورشید جہاں گرد زرین تختہ پر نمودار ہوا۔ اسمیں ماہتاب گھر میں
گیا اس کرہائی نے بھی بساط بازی لپیٹی۔ شہزادے اپنے اپنے مکان کو گئے اور دوسرے روز جب آفتاب
سیاحوں کیطرح مغرب میں پہنچا اور ماہتاب بادشاہوں کی صورت سپاہ انجم کو لئے تخت فیروزہ رنگ پر
رونق افروز ہوا شہزادے اسی آن بان سے اسکے مکان میں آئے اور بدستور سونے کی چوکیوں پر اجلاس
فرمایا۔ حور لقا لونڈیاں خدمت میں آکر حاضر ہوئیں اور طرح طرح کا کھانا سونے چاندی کے خوانوں میں لاکر
دسترخوان پر چن دیا۔ بعد تناول طعام تختہ نرد منگوا کر دس لاکھ روپیہ کی بازی باندھ کر کھیلنے لگے۔ غرض اس
رات کو سب مال و متاع نقد و جنس ہاتھی گھوڑے اونٹ وغیرہ جسقدر رکھتے تھے ہار گئے۔ تب اس مکارہ نے
بازی سے ہاتھ کھینچ کر کہا لے جاؤ تمہارا سرمایہ آخر ہو چکا۔ اب بساط بازی لپیٹو اور اپنے گھر کی راہ لو شہزادوں
نے کہا کہ اب کی بار اور ہم زر طالع کو ترازوئے امتحان میں تولیں اگر ہماری بخت کا پلہ جھکے۔ تو اپنی بلا ہی ہاری
ہوئی اور سب نقد و جنس کہ گرہ میں تمنے باندھی ہے کھول لیں نہیں تو ہم چاروں تیری فرمانبرداری میں غلام ہیں
جب یہ قول و قرار ٹھیرا تب اس چال چھکانے طرفۃ العین میں وہ بھی بازی جیت لی اور سب اسباب نقد و جنس
انکا اپنی سرکار میں داخل کیا اور ان قیدیوں کے سلسلہ میں کہ ویسے سینکڑوں تھے بھیجدیا اور سب سپاہ اور
رفیق انکے گل خزاں دیدہ کی طرح درہم برہم ہو گئے۔ تاج الملوک نے اپنے دل سے مصلحت کی کہ کچھ ایسی
حکمت کیا چاہیئے جو انکی خلاصی کا سبب ہو مجھسے جو یہ کام نمایاں ہو تو دنیا میں نام اور آخرت میں اجر
فراواں ہو یہ دل میں سوچکر شہر میں آیا اور ایک امیر کے در دولت پر جاکر دربانوں سے کہا مسافر ہوں بے خانماں
ہوں کسی امیر کو ڈھونڈتا ہوں تمہارے صاحب کا اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ سنکر آیا ہوں۔ اگر بندگی میں

لیں اور بندہ نوازی فرماویں بدل وجان خدمت بجا لاؤں ان میں سے ایک نے جاکر امیر کی خدمت میں شاہزادہ کی کیفیت عرض کی فرمایا اسے حاضر کرو وہ لے گیا۔ امیر نے اسکا منہ دیکھ کر کہا۔ یا الٰہی کیا آفتاب چوتھے آسمان سے انسان کے قالب میں اتر آیا یا کوئی غلمان بہشت بریں ہے ۔ پیشانی نازنین پہ اسکے چمکے تھا ستارہ بلندی غرضیکہ اس امیر نے اپنی خدمت میں سرفراز کیا۔

تیسری داستان تاج الملوک کے تختہ نرد کھیلنے کی لہر لکھا بیسوا سے اور مال جیتنا

جب تاج الملوک کو امیر کی خدمت میں کئی مہینے گذرے اور اس نے اپنی وجہ مقرر سے کچھ روپیہ جمع کیا۔ ایک روز اسکی خدمت میں عرض کی کہ ایک فدوی کے آشناؤں میں سے اس شہر میں وارد ہے۔ اگر حکم ہو تو ہر روز چار گھڑی کے واسطے اسکے پاس جایا کروں اور دل بہلایا کروں امیر نے کہا۔ بہتر۔ پس شہزادہ ہر روز تختہ نرد کھیلنے والوں کے پاس جا بیٹھتا اور کھیلتا جب اسکے قانون دریافت کر لئے اور ہر ایک سے بازی ہاتھ آنے لگی۔ یہ تجویز کی کہ اب اس عیارہ سے بازی کھیلئے اور اپنے طالع کو تختہ امتحان پر چھوڑ کر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیے۔ کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تو ایک روز شہزادہ اسکے دروازے پر گیا۔ دیکھا کہ ایک بڑھیا اندر سے باہر کو آئی۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ اسنے کہا کہ یہی مدار المہام ہے بے مشورے اسکے وہ کچھ کام نہیں کرتی۔ تاج الملوک نے کہا کہ اب کچھ مکر پھیلانا چاہیئے۔ دام محبت میں اسے لانا چاہیئے اسکے ہاتھ میرا کام نکلے تو نکلے۔ اسدن تو شہزادہ چلا آیا پھر ایک روز وہی بڑھیا۔ اس کو دکھائی دی۔ سلام کیا اور پاؤں پر سر رکھ کر بے اختیار رونے لگا۔ بڑھیا نے پوچھا تو کون ہے اور کہاں سے آیا۔ اور دیوانہ ہے یا مظلوم کہ پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے شہزادہ نے کہا ابیات کیا مجھ سے پوچھتی ہو۔ میں ہوں کمال مضطر۔

دنیا میں کوئی مجھ سا ڈہونڈو تو پاؤ کمتر۔ آتش سے غم کی میرا سینہ جلا جاتا ہے۔ دو دن کی زندگانی مجھ پر ہوئی بلا ہے
گردش سے آسماں کی کیا کیا بلا ہے مجھ پر۔ سایہ بغیر اپنا ساتھی نہ کوئی رہبر۔ اے ماما مسافر ہوں اِس شہر بیگانے
میں نہ کوئی یار نہ آشنا بجز باری تعالیٰ کی ذات کے نہ اپنا کوئی پشت پناہ نہ کسی کا آسرا اور پردیس میں میرا وطن
ہے ایک میری دادی تھی وہ بھی قضائے الٰہی سے کئی برس ہوئے اس عالم فانی سے بقا کو کوچ کر گئی۔ اور
اسکے تمام آثار تجھ میں پائے اسواسطے بصد آرزو تیری پابوسی کی۔ اگر میرے حال کو الطاف کی نظر سے دیکھے
اور اس عاجز کی غریبی اور بیکسی پہ رحم فرمائیں۔ تو میں تیرا ہو کر رہوں اور دادی کی جگہ تجھ کو تصور کروں۔
بیت نظر سے اپنی جو خاک کو کرتے ہیں اکسیر کبھی تو گوشہ چشم اس طرف کریں للہ۔ ایسی چکنی چپڑی باتیں کر
کے اس پیر زال کا دل پسیج گیا شعلہ آواز سے موم کی مانند پگل گیا۔ بولی۔ اے جوان میرا بھی اس جہان میں کوئی
نہ رہا ہے۔ پس آج سے میں تیری دادی اور تو میرا پوتا۔ پھر تاج الملوک نے کہا کہ دادی صاحبہ میں ہر روز
میں ایک جگہ نوکر ہوں اسکی فرمانبرداری بھی لازم ہے ہر روز تمہاری قدمبوسی کے واسطے نہ پہنچ سکونگا۔ مگر کبھی کبھی
بڑھیا نے کہا بیٹا کیا مضائقہ ہے۔ اگرچہ شہزادہ نے ہر روز آنے سے عذر کیا لیکن اس غمخوار کے گھر ہر روز جاتا
اور چاپلوسی کی باتیں بناتا۔ آخرش رفتہ رفتہ اسکا محرم راز ہوا۔ اسیطرح کچھ روز گذرے ایکدن شہزادہ کچھ روپیہ اسکے
پاس لیگیا اور کہا دادی صاحبہ یہ روپیہ رکھ چھوڑو اگر کسی کام میں درکار ہو تو خرچ کرو۔ وہ بولی بیٹا میں تمہارا
روپیہ لیکر کیا کرونگی۔ خدا کا دیا میرے گھر سب کچھ ہے کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر تجھے کسی کام کے لئے درکار
ہوں۔ تو یہ نقد و جنس تیرا ہی ہے بخوف اپنے تصرف میں لا۔ کھانے کے لئے زر ہے۔ اے نور بصر!
رکھنے کے لئے تو زر و خنگ ہے یکساں۔ غرض شہزادے نے جب اسکو اپنے حال پر مہربان پایا تو ادہر
ادہر کا تذکرہ کر کے کہنے لگا۔ دادی صاحبہ! تم کو معلوم ہے جو کوئی اس عیارہ کے ساتھ تختہ نرد کھیلتا ہے
اس سے بازی نہیں پاتا۔ اسنے جواب دیا۔ بیٹا یہ راز کی بات ہے بہت نازک ہے۔ خبردار کسی سے نہ کہنا ایسا نہ
ہو کہ یہ بات طشت از بام افتادہ ہو اور اسکی بھنک اس خام پارہ کے کان میں پڑے جو میرے زوال کا باعث ہو۔ پھر
شہزادے نے کہا نعوذ اللہ یہ کیا بات ہے۔ بڑھیا بولی کہ اسنے ایک بلی اور چوہے کو پرورش کر کے یہ سکھایا ہے
کہ بلی کے سر پر چراغ رکھے تو وہ لئے رہے اور چوہا چراغ کے سایہ میں بیٹھا رہے۔ جب اسکی خاطر بازی نہ پڑے
تب بلی چراغ کو ہلا کر نردوں پر سایہ کرے اور چوہا اسکے حسب دلخواہ الٹ دے۔ پس جو کوئی اس سے کھیلنے
آتا ہے وہ بیچارہ بازی ہار جاتا ہے وہ بلی اور چوہے کی مدد سے بازی جیت لیتی ہے۔ لیکن کسی کھلاڑی پر آج تک
یہ بھید نہیں کھلا۔ اور جو کوئی اس ارادے سے آیا اسنے داغ ندامت اپنی پیشانی پر لیا۔ تاج الملوک جب دریافت
کر چکا بازار میں گیا اور نیولے کا بچہ مول لیکر اسے اپنے آستین میں رکھ کر یہ سکھانے لگا۔ کیونکہ کیسا وہ

چٹکی کی آواز پائے بچہ پلنگ کی طرح آستین سے کود کر باہر آئے جب اسطرح وہ سیکھ سکھا کر تاک ہوا تب ایکروز
شہزادہ نے بڑھیا سے یہ مکر پھیلایا کہ میں اب نوکری سے اداس ہوا ہوں۔ اگر تو ہزار روپیہ سے میری مدد کرے تو
تجارت کروں بڑھیا نے کوٹھڑی میں لیجاکر کہا کہ دیکھ بیٹا یہ سب روپے حاضر ہیں جتنا جی چاہے لے لو۔ تب
شہزادہ نے ہزار روپے اس سے لئے اور امیر کے پاس گیا۔ اور عرض کی کہ میرے آشناؤں میں سے ایک کا بیاہ ہے
آج اگر سرکار سے ایک خلعت مرحمت ہو تو اس مجلس میں جائے اور ہمچشموں میں عزت پائے۔ امیر نے اپنا ملبوس
خاص شہزادہ کو عنایت کیا اور فرمایا کہ گھوڑوں میں سے جو تجھے پسند ہو لیجا۔ تاج الملوک حضور کے خاصے پر
سوار ہو کر اس بیسوا کے دروازہ پر گیا اور گھوڑے سے اتر کر بیا کانہ اندر قدم رکھا اس ہیئت سے اسے
دیکھ کر بیسوا کے منہ کا رنگ اڑ گیا۔ گھبرا کے استقبال کیلئے دوڑی آئی۔ شہزادے نے کہا کہ تو ایک مدت سے
اس شہر میں مسافروں کی دمساز رہتی ہے اور عاشق مزاجوں کی ہمراز رہتی ہے اور میں اس شہر کے والی کا
خواص ہوں۔ کبھی مجھ سے رجوع نہیں ہوئی بہرحال لاکھ یاروں کی بھی نذر کر۔ اسنے شہزادہ کو باعزاز و اکرام تمام
جڑاؤ کرسی پر بٹھایا اور آپ ہٹ کر پیچھے کرسی پر بیٹھی۔ اس میں شاطر فلک کجباز نے آفتاب کی سنہری نرد
کو مغرب میں چھپایا اور شمعدانوں کے روپہرے گوٹوں کو تخت طلوع پر بٹھایا شہزادہ نے کہا میں نے سنا ہے
کہ تجھ کو تختہ نرد کھیلنے کا بڑا شوق ہے۔ ایک بازی کھیلیں۔ اس مکر ہائی نے پہلے تو انکار کیا آخر شہزادے کے
کہنے پر تختہ نرد منگوا کر بلی کے سر پر بدستور قدیم چراغ رکھا اور لاکھ روپیہ کی بازی باندھ کر پانسہ پھینکا تب پہلی
بازی تو شہزادہ نے جان بوجھ کر ہار دی اور اسنے بلی چوہے کی مدد سے جیت لی پھر دوسری رکھ کر کھیلنے بیٹھی
جو ایک بار پانسہ پھینکا اسکے خاطر خواہ نہ پڑا وہیں بلی نے سر ہلایا چوہے نے چاہا کہ پانسہ کو الٹ دے۔ تاج الملوک نے
چٹکی بجائی نیولا تیر کی طرح جست کر کے باہر نکلا چوہا تو اسکی صورت دیکھتے ہی کافور ہو گیا اور بلی پر بھی دہشت
طاری ہوئی چراغ سر سے پھینک ہوا ہوئی۔ شہزادہ نے برہم ہو کر کہا کہ اے عیار تونے یہ کیا بگل نکالا ہے باوجودیکہ
تیرے گھر میں گو ہر شب چراغ ہیں ایک شمعدان بھی نہیں رکھتی وہ اس گفتگو سے نہایت خجل ہوئی غیرت سے
پسینہ پسینہ ہو گئی۔ اسی وقت جڑاؤ شمعدان منگوا کر رکھا۔ اور دونوں پھر اسی کام میں مشغول ہوئے۔ کہنے
والے نے یوں کہا ہے کہ شہزادے نے اس رات میں سات کروڑ روپے جیتے۔ اتنے میں صبح صادق ہو
گئی۔ تاج الملوک نے کہا کہ اب حضرت جہاں پناہ کے ناشتہ کا وقت قریب ہے اگر اس وقت حضور اعلیٰ میں حاضر
نہ ہونگا تو موجب قباحت ہو گا۔ یہ کہہ کر اٹھا اور وہ روپیہ شام کے وقت کے دعدے پر اسی کے پاس
چھوڑ کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا شام کے انتظار میں تمام دن جوں توں کاٹا۔ سورج کے ڈوبتے ہی
سج سجا کر ایک ایسے سمند باد رفتار پر کہ جسکی تیزی کے رشک سے باد صبا بھی ہر دم دم سرد بھرتی ہے۔ سوار

سوار ہوکر اسکے گھر پہنچا یہ خبر سنکر اسنے چند قدم ناچار استقبال کیا اور شہزادہ کو بدستور اسی کرُسی پر بٹھایا
کھانا کھانے کے بعد کروڑ روپیہ کی بازی باندھ کر کھیلنے لگے کہتے ہیں۔ کہ اس کھلاڑن نے قریبًا
آدھی رات کے عرصہ میں قریب سو کروڑ کے جو اس کے خزانہ میں نقد تھے ہار دیئے تب حیران ہوکر
ششش و پنج کرنے لگی۔ آخر اثاث البیت پر نوبت آپہنچی۔ وہ بھی تاج الملوک نے جیت لیا اسنے کہا
کہ اب تو تیرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ اتنی رات کس شغل میں کٹے گی۔ اب پورب پچھم کے شہزادے جو تو
نے قید کئے ہیں۔ ان پر بھی ایک بازی کھیل اگر تو جیتے تو لاکھ روپے دوں ورنہ انکو بھی لے لوں اور جو چاہوں
سو کروں۔ اس بات پر وہ راضی ہوئی اور پلک مارتے ہی شہزادہ نے وہ بازی بھی جیت لی تب وہ بولی کہ اے
جوان جواں بخت ایکبار میں اپنا النصیب و رآزماؤں اگر بازی میرے ہاتھ آئی تو اپنی جنس ہاری ہوئی
واپس لے لونگی۔ ورنہ تیری لونڈی ہوکر رہوں۔ شہزادہ کے طالع کا ستارہ آسمان ترقی پر چمک رہا تھا۔ ایک
بات کی بات میں وہ بازی بھی جیت لی تب وہ سرو قد کھڑی ہوئی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ کہ اے جوان!
خدا کی مدد سے تو نے مجھے اپنی لونڈیوں میں ملایا۔ غرضیکہ جس شکار کے واسطے تمام روئے زمین کے بادشاہوں
نے تمام عمر صرف کی بخت بلند کی مدد سے تو نے اسے ہاتھوں پکڑ لیا اب یہ تیرا گھر ہے مجھ کو اپنے
نکاح میں لا۔ اور باقی عمر دولت و حشمت کیساتھ بسر کر۔ تاج الملوک نے کہا کہ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔
کیونکہ مجھے بڑی مہم درپیش ہے۔ اگر حق تعالےٰ کے فضل و کرم سے میں اس پر بھی فتحیاب ہو گیا تو البتہ
تو بھی کامیاب ہوگی۔ اب تجھے لازم ہے کہ بارہ برس تک میرے انتظار میں نیکبختی کا لباس پہن کر حق
تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے کسب سے ہاتھ اٹھائے۔ اسنے کہا کہ اے بوستان سرداری
کے نونہال اب تک تیری گلشن جوانی کا شگوفہ نہیں پھولا۔ اور بہار شباب کے چمنوں پر سر کا جھونکا بھی
نہیں لگا۔ کیا لازم ہے جو تو سفر کر کے آتشکدۂ محبت میں عمدًا اپنے آپ کو گرا کر اور آتش سرگردانی قصر
شادمانی میں قصدًا لگا کے جلائے مجھ کو بھی اس کیفیت سے مطلع کر کہ میں بھی تیرے ساتھ جب تک
قالب میں جان رہے ورد وہم سر نہ ہو سکے۔ اور تردد کروں۔ کہ اب وہ مجھ کو یہ گھر تیرے بغیر بندیخانہ ہے؛
بیت۔ اے فصیحی گھر بغیر از یار کے زندان ہے۔ ہر در و دیوار پر لکھ دیکھو اس بات کو؛ جب
اس غلامہ نے اس راز سربستہ کے کھولنے میں حد سے زیادہ اصرار کیا۔ تو شہزادہ نے کہا کہ سن میرا نام
تاج الملوک ہے اور زین الملوک شرقستان کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ قضا کار میرے باپ کی آنکھیں جاتی
رہیں۔ حکیموں اور طبیبوں نے بالاتفاق گل بکاؤلی کے سوا اور کوئی دوا تجویز نہیں کی۔ اسی روز سے میرے
چار بھائی جو چند روز سے تیری قید میں ہیں گل بکاؤلی کی تلاش کو نکلے ہیں۔ میں بھی خفیہ انکے ساتھ تھا

وہ تو مکر و فریب کے دام میں پھنس گئے ہیں میں سینکڑوں حیلوں سے تجھ تک پہنچا اور غالب تو اب اسی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ اگر گل مقصود میرے ہاتھ آیا تو فہو المراد۔ نہیں تو اس کے پیچھے جان دے کہ میں نے اپنی جان سے ہاتھ اُٹھایا۔ اس نے سن کر کہا کہ اے شہزادے یہ کیا خیال باطل تیرے دل میں سمایا اور اندیشہ فاسد تیرے جی میں آیا۔ ذرہ کو کیا مجال کہ آفتاب کی منزل تک اپنے آپ کو پہنچائے۔ پرند کو کیا طاقت کہ آپ کو ہمدم صبا بنائے۔ سن۔ بکاؤلی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اس کے باغ میں گل ہے۔ پر اس کی چار دیواری کو آفتاب عالمتاب بھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہزاروں دیو اس کی نگہبانی کے واسطے چاروں طرف مستعد رہتے ہیں۔ کسی ذی روح کی طاقت نہیں کہ بے اجازت ان کی وہاں تک پہنچے اور بے شمار پریاں پاسبانی کے واسطے ہوا پر مقرر ہیں۔ کہ کوئی پرندہ پر نہ مارے۔ اسکے سوائے زمین پر سانپ بچھو لا انتہا پہرہ چوکی دیتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اس راہ سے بھی اسکے پاس نہ پہنچ سکے۔ اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ ہزاروں چوہوں کے ساتھ نگہبانی کرتا ہے۔ کہ سرنگ کی راہ سے بھی کسی فرد بشر کی رسائی نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ چیونٹی چاہے کہ رینگتی ہوئی کسی حیلہ سے اس تک پہنچے تو ممکن نہیں ہے۔ اے شہزادہ تو اس خرابی میں زنہار گرفتار نہ ہو۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ نہ ڈالو تم ہاتھ اپنی ہلاکت کی طرف اور شیخ سعدی نے بھی فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ بیت کوئی مرتا نہیں ہے بن آئی۔ لیک تو منہ میں اژدہے کے نہ جا ٭ شہزادہ نے کہا۔ فی الحقیقت یہی بات ہے۔ مگر حق تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے حضرت خلیل اللہ پر آگ کو گلزار کر دیا تھا۔ اگر میں عاشق صادق اور ثابت قدم ہوں۔ اور میرے عشق کا جذبہ ثابت ہے۔ تو البتہ شاہد مراد کے دامن تک میری دسترس ہوگی ٭

مصرعہ

کیا کر سکے گا دشمن جو مہرباں ہو دوست

میرے چھوٹے قد پر نہ جاؤ۔ اگرچہ بنی آدم قوت میں دیو سے کم ہیں۔ لیکن فہم و فراست میں زیادہ تر ہیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ ہر آئینہ بزرگی دی ہے۔ میں نے بنی آدم کو ٭

حکایت برہمن اور شیر کی
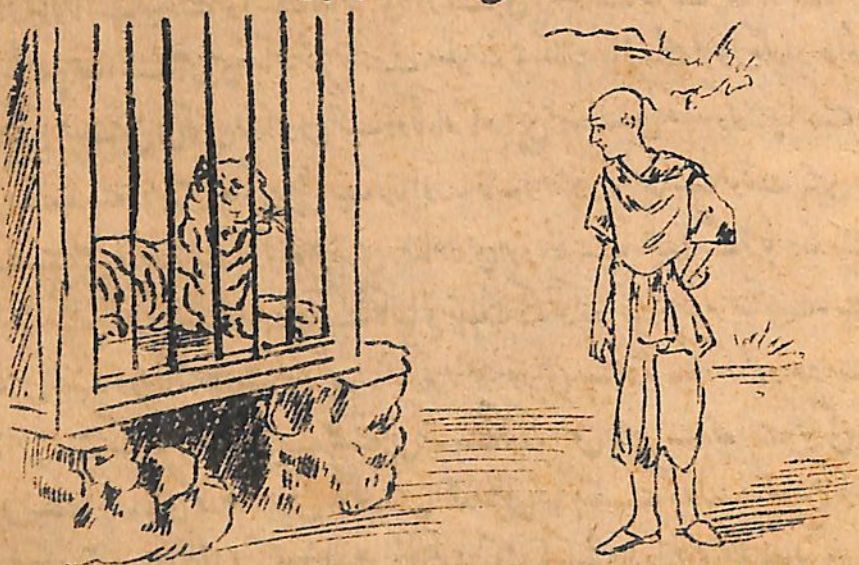
آو تو نے سنا نہیں ہے۔ کہ کسی جنگل میں ایک روز برہمن کا گذر ہوا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک شیر موٹی
رسی سے جکڑا ہوا پنجرے میں بند ہے وہ شیر اس برہمن کو دیکھ کر نہایت عاجزی سے گڑگڑانے لگا کہ
اے دیوتا اگر تو میرے اس حال زار پہ رحم کرے اور اس قید سے مجھ کو نجات دے تو اس جان بخشی
کا عوض ایک نہ ایک دن میں بھی تیرے کام آؤں گا۔ برہمن سادہ لوح کا دل شیر کے بلبلانے پر
بھر آیا۔ مگر عقل کے اندھے کو یہ نہ سوجھا کہ دشمن ہے۔ اسکی بات کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ بے تامل
اسکا دروازہ کھولکر اسکے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ بند خلاصی ہوتے ہی اس کوتہ اندیش کو چاہا کہ گردن پکڑ
کر اپنے پیٹ میں ڈالے۔ بیت۔ نیکی کرنی بدوں سے ایسی ہے۔ جیسے نیکوں سے کی بدی تو نے۔ برہمن نے
کہا اے شیر میں نے تجھ سے بھلائی کی نیکی کی امید پہ اور تو ارادہ بدی کا رکھتا ہے سو میں نیکی سے گذرا
بدی تو نہ کر۔ شیر بولا ہمارے مذہب میں نیکی کی جزا بدی ہے۔ اگر میرے کہنے کا اعتبار نہیں تو چل
دوسرے سے پچھوا دوں۔ جو وہ کہے سو سہی۔ اس بات پر وہ گو برگنیش راضی ہوا اور اس جنگل میں ایک برگد
کا درخت تھا۔ شیر اور برہمن اسکے پاس گئے۔ شیر نے اپنی درخواست اس سے ظاہر کی۔ اس نے
جواب میں کہا اے برہمن شیر سچ کہتا ہے اسوقت میں نیکی کا بدلہ بدی کے سوا کچھ نہیں۔ سن کہ میں برابر
ایک پاؤں کھڑا ہوں اور سب چھوٹے بڑے مسافروں پر سایہ کرتا ہوں۔ لیکن جو مسافر گرمی کا مارا
ہوا میرے سایہ میں آکر دم لیتا ہے ہوا کھاتا ہے وہ چلتے وقت اپنے سر پہ سایہ کرنے کے لئے

میری ڈالی توڑ کر لیجاتا ہے۔ کوئی میری شاخ کی لاٹھی بناتا ہے کہہ تو سہی بھلائی کا بدلہ بُرا ہے یا نہیں۔ شیر
نے کہا کہ کہو پوتا اب کیا کہتے ہو اسنے کہا کہ کسی اور سے بھی پوچھو تب شیر نے چند قدم اور آگے جاکر
راستے سے پوچھا اسنے بھی یہی کہا کہ شیر سچا ہے۔ سنو مشرجی اکثر مسافر مجھے بھول کر اِدھر اُدھر بھٹکتے
پھرتے ہیں۔ جب میں ان کو مل جاتا ہوں تب وہ بآرام تمام اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ لیکن
اس نیکی کے بدلے وہ میری چھاتی پر پیشاب کرتا اور پاخانہ تو ضرور ہی پھرتا ہے اسوقت برہمن نے کہا
تیسرے سے بھی اور دریافت کرلو پھر جو تیری رضامندی ہو۔ بہتر ہے۔ شیر آگے بڑھا۔ سامنے سے
ایک گیدڑ ٹیلے پر نظر آیا اسنے ارادہ بھاگنے کا کیا تو شیر للکارا کہ تو کچھ اندیشہ نہ کر ہم ایک بات تجھ سے
پوچھتے ہیں تب وہ بولا کہ حضرت کو جو کچھ ارشاد کرنا ہو دور ہی سے فرمائیے۔ کہ خود بدولت کے
رعب سے اس عاجز کے طائر ہوش اڑے جاتے ہیں شیر نے کہا کہ اس برہمن نے مجھ سے نیکی کی ہے۔ اور
میں اس سے ارادہ بدی کا رکھتا ہوں۔ تو کہہ اس مقدمہ میں کیا کہتا ہے گیدڑ نے کہا یہ جو بات۔ کہ
آپ ارشاد کرتے ہیں اس خاکسار کے خیال میں نہیں آئی آدمی کی کیا مجال کہ قوی ہیکل جانوروں کے شہنشاہ
سے کہ جسکے روبرو انسان پشہ سے بدتر ہے کچھ نیکی کر سکے۔ مجھ کو اسبات کا فکر ہے۔ ہرگز اعتبار نہیں
آتا جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں۔ شیر نے کہا کہ آہم دکھاویں۔ پھر شیر برہمن کو ساتھ لئے آگے
آگے اور گیدڑ آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ایک آن میں پنجرے کے پاس آکر تینوں پہنچے۔ برہمن
نے کہا اے گیدڑ شیر اسی پنجرے میں بند تھا میں نے نکالا۔ کہہ تیرا فتوے کیا ہے گیدڑ بولا کہ اتنا بڑا
شیر اس چھوٹے سے پنجرے میں کیونکہ بند تھا۔ اب میرے روبرو اس میں جائے اور جس طرح اِسکے
ہاتھ پاؤں بندھے تھے اسی صورت سے باندھ کر پھر تو کھولے تو میں جانوں۔ شیر اندر گیا اور برہمن اسکے ہاتھ
پاؤں باندھنے لگا۔ گیدڑ نے کہا کہ اگر آگے سے اسکے باندھنے میں کچھ بھی فرق کرے گا۔ تو واللہ میں
اس بات کا جواب نہ دے سکوں گا۔ اس نے گیدڑ کے کہنے پر شیر کو خوب مضبوط کر کے باندھا۔ اور جکڑ کر
پنجرے کا دروازہ بند کر کے کہا کہ اے گیدڑ ادیکھ یہ اس طرح گرفتار تھا۔ جو میں نے کھولا، تو
گیدڑ نے برہمن سے کہا کہ پتھر پڑیں تیری عقل پر۔ ارے نادان! ایسے دشمن قوی سے نیکی
کرنی اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنی ہے۔ تجھے کیا ضرورت تھی کہ دشمن کو قید سے چھڑائے
اب جا اپنی راہ لے۔ دشمن تیرا مغلوب ہوا۔ اے عزیز سچ ہے۔ کہ جو کوئی بے صبری اور فریاد
اپنے نفس کی جو مثل شیر کے جسم کے پنجرے میں بند ہے۔ سُنے اور اس کے حال پر رحم
کر کے صبر و توکل کی رسّی اسکے ہاتھ پاؤں سے بے محابہ کھولدے تو بہر صورت اپنے آپکو اسکا لقمہ بنائے

مگر خضر رعنا کی دستگیری سے نہ بچے اے بیسوا یہ ذکر اسواسطے میں نے کیا جو تو جانے کہ طاقت جسمانی قوت روحانی پر زیادتی نہیں رکھتی۔ اب تجھے لازم ہے کہ پورب پچھم کے شہزادوں کو جو تو نے اپنے مکرو فریب سے قید کیا ہے چھوڑ دے حق تعالیٰ تجھ کو بھی دوزخ کی قید سے نجات دیگا۔ لیکن اپنے بھائیوں کو محفوظ رکھنے کے واسطے بہت تاکید کی کہ جب تک میں واپس نہ آؤں۔ ان کی حفاظت قرار واقعی کیجو یہ کہہ کر رخصت چاہی تب اس نے باچشم تر یہ اشعار پڑھے

اشعار

آتش سوزاں میں تو اے شوخ بے پروانہ جا ۔ نقد جان بیکساں کو چھوڑ کر تنہا نہ جا

تشنہ لب ہے ابر نیساں اس صدف کو چھوڑ کر ۔ جانب ویرانہ ظالم اس قدر دوڑا نہ جا

چل رہی ہے چار سو باد حوادث تند و تیز ۔ کلبۂ احزاں تو اے شادیٔ دلہا نہ جا

تو نہیں ہے حیلے سے واقف زمانے کے ابھی ۔ یوسف دوراں یہ زنداں ہے تو اب پھر نہ جا

جس میں تو جاتا ہے وہ ہے بحر ناپیدا کنار ۔ مان میری بات کو ظالم نہیں رہ جا نہ جا

حشر میں پروانہ کو ظالم تو کیا دیگا جواب ۔ چھوڑ کر ان کو کہیں اے شمع نور افزا نہ جا

اے عزیز تو نے معلوم کیا کہ میں نے کیا کہا۔ اس بات کا حاصل یہ ہے کہ دل عرش منزل تیرا جو رونق بخش تخت بادشاہی کا ہے۔ اور دیکھنے والا امر و نہی کا ہے۔ جب اس کی آنکھ اس خلقت ناپاک پر پڑی تو اس کی بصارت کو زنگ لگا۔ اور چشم روشن تیرہ و تاریک ہوگئی۔ اب اُٹھ اور سُرمۂ بینائی کا ڈھونڈھ۔ یعنی گل مراد کی کوشش کر۔ لیکن راہ دنیائے ناکارہ کی بازی میں کہ تختۂ فریب دھرا ہے مشغول نہ ہونا مبادا وہ فاحشہ پہلے تجھے فریفتہ کر کے فریب دے۔ اور بعد اس کے فریب کی بلّی اور مکر کے چوہے کی مدد سے اچھا پاسہ اپنے حسب مرضی پھینکے اور اچانک تیرے گل کا سرمایہ آخر ہو جاوے۔ تب تجھ کو دائم الحبس کر رکھے۔ اگر صبر کے نیولے کی اعانت سے اس مکارہ کی بازی طلسم کو درہم برہم کردے۔ تو وہ فاحشہ جو بادشاہوں اور گردن کشوں کی ہمنشین ہے فرمانبردار لونڈی ہو کر تجھ کو چاہے۔ کہ اپنے حسن و جمال پر لبھائے۔ پھر اگر تو اُسکے منہ پر الفت و محبت سے نگاہ نہ کرے۔ تو یقین ہے کہ گل مراد کے دامن تک تیری دسترس ہو۔

چوتھی داستان تاج الملوک کے پہنچنے کی سرزمین میں دیو کی مدد سے

راوی شیریں بیان یہ داستان یوں بیان کرتا ہے۔ کہ تاج الملوک نے ٹھاٹھ قلندرانہ اور چہرہ پر

خاک مَل اور پھر خدا کا نام لے کر چل نکلا اور بعد کئی روز کے ایک ایسے وادی پُر خار میں کہ جس کی انتہا نہ تھی۔ اور ہرگز دن رات کی تاریکی میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ سفیدی اور سیاہی میں ذرا امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ وہاں جا کر وارد ہُوا۔ اور اپنے دل کو ڈھارس دے کر کہنے لگا۔ کہ اے عزیز پہلی ہی مصیبت کی لہر ہے تجھ کو تو ابھی سارا دریا تیرنا ہے۔ ہمت کی کمر چست باندھ اور سمندر کی مانند اپنے آپ کو آتشکدہ میں ڈال۔ پھر دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے ؎

غواص جو خوف کرے گھڑیالوں سے۔ تو ایک مُوتی بھی ہاتھ نہ لگنے اسکے۔ یہ سوچ کر آخرش اُس صحرا میں جا نکلا۔ جو قدم آگے بڑھاتا تھا کانٹا گڑتا تھا۔ ہر گام پر آہ و نالہ کرتا تھا غرض اس دشت پُر خار میں کہ جاہلوں کے دل سے تاریک تر تھا۔ اور درندوں کا مسکن تھا منہ کھولے پڑے تھے۔ گویا خالی گھروں کے دروازے جھاڑیوں کے سوا نہ کہیں دانہ۔ پھولوں کے سوا نہ کوئی آبشار۔ مدت تک شہزادہ دائیں بائیں چاروں طرف دوڑتا پھرتا تھا۔ جھاڑیوں کی رگڑوں سے بدن چھل گیا۔ ہر ایک عضو سے لہو ٹپکنے لگا۔ یہاں تک کہ پھُول سے تلوے اس کے ببول کے کانٹوں سے چھد گئے۔ کہتے ہیں کہ شہزادے نے ایسی مصیبت اور محنت اُٹھا کر بارے اس جنگل کو طے کیا اور لاکھوں حمد و شکر الٰہی کے بجا لا کر آگے بڑھا۔ سامنے سے ایک دیو پہاڑ سا بیٹھا نظر آیا۔ وہ سمجھا کہ یہ جہاز ہے۔ جب نزدیک پہنچا تو دفعتہً اس ظالم نے اپنے قد کو بلند کیا۔ تو ہمسر فلک ہو گیا۔ اور مارے خوشی کے بادل کی طرح گرجا۔ بولا کہ میں تصدق جاؤں۔ اپنے رازق کے اور قربان جاؤں اپنے خالق کے کہ جس نے ایسا لقمہ لطیف مجھ دیو کثیف کے واسطے گھر بیٹھے بھیجا۔ یہ کہہ کر شہزادہ سے مخاطب ہُوا۔ اور بولا کہ ان ایام جوانی میں تجھے کس نے عروج اجل کا مشتاق بنایا۔ اور علامت زندگانی کو تجھ پر شاق کیا۔ جو تو شہر حیات چھوڑ کر پائے خواہش سے ویرانہ موت میں آیا۔ شاہزادہ اس کی ہیبت سے تھرایا۔ چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور کہنے لگا اے دیو! تو میرا کیا حال پوچھتا ہے۔ کہ زندگانی اس دُنیا فانی کی مجھ پر وبال ہوئی ہے۔ اگر مجھے اپنی جان عزیز ہوتی۔ تو میں اپنے آپ کو ہرگز موت کے پنجے میں نہ ڈالتا۔ اور تجھ سے خونخوار کے دام میں گرفتار نہ ہوتا۔ اب مجھ کو زندگی کی صورت سے چھُڑا۔ اور بلا توقف تو میرا کام تمام کر کیونکہ ایک ساعت کی زیست بھی مجھ پر سو برس کی مشقت کے برابر ہے۔ بیت۔ گئے خوشی سے تو ہے زیست خضر کی تھوڑی نہیں۔ تو نیم نفس بھی بہت ہے جینے کو۔ اس دیو کو اس کی دردانگیز باتوں پر رحم آیا اور حضرت سلیمان کی قسم کھا کر یہ بات زبان پہ لایا۔ کہ

اے آدم زاد میں تجھے ہرگز رنجیدہ خاطر نہ کروں گا۔ اور سر مُو تصدیعہ نہ دوں گا۔ بلکہ اپنی پناہ میں رکھ کر جس مطلب کے واسطے نکلا ہے اس میں بھی مدد اور کوشش کروں گا۔ پس وہ ہر روز شہزادہ پر پیار اور شفقت زیادہ کرتا۔ اور بار بار تسکین اور دلاسا دیا کرتا۔ اور تاج الملوک بھی میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس دیو سے گھی اور شکر کی طرح مل گیا۔ اور چاپلوسی اور تملق سے اس کو محبت کے شیشے میں اتارتا القصہ ایک روز دیو نے مہربان ہو کر کہا۔ کہ جو تیری غذا ہے وہ میں لاؤں۔ تاج الملوک نے عرض کی کہ آدمیوں کی غذا شکر۔ آٹا۔ گھی۔ میدہ اور گوشت وغیرہ یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ سنتے ہی دیو اٹھ دوڑا اور ایسے قافلہ پر دوڑ کر پہنچا۔ کہ جس کے لوگ گھی میدہ اور شکر اونٹوں پر لادے کہیں لئے جا رہے تھے۔ وہ لدے لدائے اونٹ اٹھا کر شہزادے کے آگے لے آیا۔ اور کہا اپنی خورش لے اور اس میں سے کچھ کھا۔ تاج الملوک نے اونٹوں پر سے وہ سب چیزیں اتار لیں۔ اور انہیں جنگل میں چھوڑ دیا۔ پھر ہر روز اپنے کھانے کے موافق کچی پکی روٹی پکا کر کھانے لگا۔ اس میں چند روز گذرے۔ ایک دن شہزادے نے کئی من میدہ لے کر اس میں گھی شکر بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں پر ڈال کر ہاتھ پاؤں سے خوب روند کر گوندھا۔ پھر اُدھر اِدھر سے سُوکھی لکڑیاں جمع کر کے رغنی روٹ سینک سانک کر تیار کئے۔ اور ایک اونٹ کے کباب خوب نمکین بھونے۔ دیو نے دیکھ کر پوچھا۔ کہ تو نے کیوں آج اتنی تکلیف اٹھائی۔ اور کس واسطے فضول خرچی پر کمر باندھی۔ تاج الملوک نے کہا۔ کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ تاکہ تم بھی ایک نوالہ اس میں سے کھاؤ۔ اور ہمیں آدمیوں کے کھانے کی لذت بھی معلوم ہو جائے۔ دیو نے سب کچھ یکبارگی اپنے منہ میں رکھ لیا اور بس کہ اسطرح کھانے کی لذت نہ چکھی تھی۔ مارے خوشی کے اچھل اچھل کر کھاتا تھا اور بار بار شاباش کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے آدم زاد تو نے سب مجھے ایسی چیز کھلائی کہ میرے باپ دادا نے بھی کبھی نہ کھائی ہو گی بلکہ آج تک کسی دیو نے ایسے کھانے کی لذت نہ پائی ہو گی۔ اس روٹی کے ٹکڑے کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ اور دل سے تیرا ممنون رہوں گا۔ شہزادہ نے جو اس کی رغبت دیکھی تو ہر روز نئی نئی قسم کی روٹی اور کباب تیار کر کے کھلاتا۔ دیو نہایت خوش ہوتا تھا۔ یہانتک کہ ایک روز خود بخود کہنے لگا اے آدم زاد تو ہر روز لقمہ لذیذ سے مجھے ایسا خورسند رکھتا ہے کہ اگر میرے بدن پر ہر روز رونگٹیں کی جگہ زبان پیدا ہو اور ہر زبان سے شکر تیرے احسان کا ادا کروں تو بھی نہ ہو سکے۔ لیکن اب تک تیرا کام میرے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ اگر کچھ مطلب ہو تو بیان کر۔ تب تاج الملوک نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے کہ دیووں کی مزاج اکثر جھوٹ کی طرف راغب ہوتی ہے اور اپنی بات پر قائم نہیں رہتے۔ اگر تم حضرت سلیمان

کی قسم کھاؤ تو میں تم سے اپنا راز ظاہر کروں۔ تب دیو بولا کہ میں اس قسم سے ڈرتا ہوں خدا جانے۔ تو کیا کہے۔ اگر وہ مجھ سے نہ ہو سکے تو مجھ کو مرنا پڑے۔ آخر چار و ناچار قسم کھائی۔ اور پوچھا کہ کیا مطلب ہے تب تاج الملوک نے کہا کہ ایک مدت سے مجھ کو ملک بکاؤلی کے سیر کا سودا ہے اس سرزمین میں پہنچا دے یہی میری آرزو ہے۔ یہ بات سنتے ہی ایک دم سرد سینے سے کھینچا اور دو پتھر اپنے سر پر مار کر بیہوش ہو گیا۔ بعد کچھ دیر کے جو ہوش آیا تو ہائے کرنے لگا اور ماتم زدوں کی صورت بنا کر بولا اے آدمزاد حق تعالے نے تیری موت کا سررشتہ میرے ہاتھ میں نہ دیا بلکہ میری حیات کی باگ تیرے ہاتھ میں دی۔ سُن۔ بکاؤلی پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اٹھارہ ہزار دیو اس کے باپ کے غلام ہیں وہ ہر طرف اسکے ملک کی پاسبانی کرتے ہیں۔ وہ تو ایک طرف بلکہ وہاں کے خاص چوکیدار جو اس ملک کے نزدیک ہیں۔ انہوں نے بھی اس شہر کی چاردیواری کو نہ دیکھا ہوگا۔ کسی ذی روح کی کیا طاقت بلکہ ہوا بھی ان دیووں کی اجازت بغیر جو برس دن کی راہ پر نگہبان ہیں۔ ممکن نہیں کہ پہنچ سکے اور پریاں رات دن نگہبانی میں مشغول ہیں۔ کہ کوئی پرندہ اس سرزمین میں پر نہ مارے اور زمین کے نیچے چوہوں کا بادشاہ بے انتہا فوج سے اور سانپ بچھوؤں کا لشکر زمین پر محافظت کے واسطے مقرر ہے۔ تا کہ کوئی سرنگ لگا کر نہ پہنچ سکے۔ بھلا پھر میں تجھے وہاں کیونکر پہنچا دوں۔ جو نہ پہنچاؤں تو یقین ہے کہ بسبب اس قسم کے میں اپنی جان سے جاؤں۔ تو ایک کام کر کہ آج پھر اسی طرح سے کھانا پکا پھر دیکھ کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور میری کوشش کے ہاتھوں سے کیا بن پڑے۔ تاج الملوک نے وہی کیا جب دیو نے کھانا تیار دیکھا۔ تو چنگھاڑ ماری۔ فوراً شمال کی طرف سے ایک اور دیو پہاڑ سا آپہنچا۔ اور دونوں دست بوسی کر کے بیٹھ گئے۔ پھر تاج الملوک پر دوسرے دیو کی نظر پڑی شہزادہ نے فوراً جھک کر سلام کیا۔ اس کے سلام کرنے سے دیو نے حیران ہو کر صاحب خانہ سے پوچھا کہ اے بھائی مقام تعجب کا ہے۔ اب تک کسی نے نہ دیکھا اور نہ سنا ہوگا۔ کہ دیو اور آدمی سے موافقت ہو اور دونو ایک جگہ ہمنشین رہیں۔ اسکے یہاں رہنے کا کیا باعث ہے دیو نے کہا اے بھائی اس آدم زاد نے مجھ کو نہایت ممنون کیا ہے مجھے کسی طرح اس سے بدی کرنی منظور نہیں اور تجھ کو اسی واسطے بلایا ہے۔ کہ تو بھی اسکے ہنر سے واقف ہو یہ کہہ کر صاحب خانہ نے سامان مہمانی کا لاکر مہمان کے آگے رکھ دیا وہ دیو اُس کھانے کو کھا کر نہایت خوش ہُوا اور کہا کہ کہو بھائی تم سے بھی آج تک اس آدمی کا کام ہُوا ہے یا نہیں۔ صاحب خانہ نے جواب دیا کہ یہ شخص ایسے کام کیواسطے تکلیف دیتا ہے جو میرے حدِ امکان سے باہر اور تردد کے احاطہ سے خارج ہے اگر تو مہربانی کرے تو شائد

یہ کام ہو۔ پھر اسنے پوچھا کہ ایسی کون سی بات ہے۔ جو تم اس میں عاجز ہو۔ میزبان نے کہا کہ اِس کو ملک بکاؤلی کی سیر کی خواہش ہے۔ مہمان بولا۔ جو جان بوجھ کے پوچھے تو بس خطاب ہے سوال۔ صاحب خانہ نے کہا میں حضرت سلیمانؑ کی قسم کھا چکا ہوں۔ اگر تو توجہ اور کرم کرکے اس کو شاہد مراد سے ملائے۔ تو فی الحقیقت میری جان بخشی کرے۔ القصہ اس دیو کی بہن حمالہ نام تھی۔ اٹھارہ ہزار دیو جو بکاؤلی کے ملک کے خاص چوکیدار تھے وہ ان کی سردار تھی۔ اسکو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ اے خواہر عزیز! مجھ کو ان دنوں ایک ایسا سفر درپیش ہے کہ بغیر اسکے کوئی صورت رہائی کی نہیں اور ایک مدت سے میں نے ایک آدم زاد کو بجائے فرزند پرورش کیا ہے۔ اب میرے جانے کے بعد گھر خالی رہے گا اب بہر صورت جائے خوف وخطر ہے۔ اِس واسطے اس نور دیدہ کو تمہاری خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے حال پر شفقت کی نظر رکھو۔ کسی طرح یہ تصدیعہ نہ اٹھائے۔ والسلام۔ اور خط اُسکے ہاتھ میں دیا۔ پھر تاج الملوک کی طرف منہ پھیر کر اشارہ کیا کہ اسکے ساتھ جا۔ میں نے کمند کسی دیر تک اپنے بازو کے زور سے میدان طلب میں پھینکی ہے۔ اگر تیرا چوگان بخت مدد کرے تو شاید اپنے مطلب کو پہنچے یہ کہہ کر قاصد کے بائیں ہاتھ پر بٹھا دیا اور داہنے ہاتھ کا سایہ کیا اور راستہ بتایا۔ بخیر بہ تمام منزل مقصود تک جا پہنچا اور دُوسرے حمالہ کو سلام کرکے شہزادہ کو نامہ سمیت حاضر کیا۔ وہ دیکھ کر نہایت خوشی سے غنچہ کی طرح کھل گئی ؎

سماتی تھی نہ اپنے پیرہن میں　　　　خوشی سے روح پھولی تھی بدن میں

الغرض قاصد کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ کہ اگر مجھ کو بھائی سرخ گندھک کی کان بھیجتا یا انگوٹھی حضرت سلیمان کی تو میں اتنا خوش نہ ہوتی جیسا کہ اسکے آنے سے ہوئی اسکے بعد خط کا لفافہ کھول کر حوال دریافت کرکے جواب لکھا اے برادر مجھ کو ایک بستی میں جانے کا اتفاق ہُوا تھا۔ وہاں ایک بادشاہ کی بیٹی نہایت خوبصورت لاثانی میرے ہاتھ لگی۔ اسکو بیٹی کی طرح میں نے پرورش کیا اور محمودہ نام رکھا اب وہ چودہ برس کی چودہویں رات کا چاند سا ہوئی۔ کارساز نے اسکا جوڑا اس تقریب سے بھیجا الحمد للہ کہ یہ بات خاطر خواہ بن پڑی۔ زیادہ شوق ملاقات۔ والسلام۔ اور خط دیکر نامہ بر کو رخصت کیا۔ پھر محمودہ کو تاج الملوک کے ساتھ بیاہ دیا اگرچہ روشنی چشم ظاہر بین کی سات پردوں میں ہے اور تجلی بارگاہ کی نور دیدہ اولیا ہے۔ ستر ہزار پردہ میں ہے۔ اگر یہ ارادہ ہے کہ وہ پردے درمیان سے اٹھیں۔ تو پہلے اس بڑے نگہبان دیو نفس کا حجاب بیچ سے اٹھا کر اسکو بس میں کر کہ وہ لعین اپنی کجروی چھوڑ کر محمودہ کے مقام پر پہنچائے۔ لیکن یہ بات یاد رکھ کہ اگر دیو سے الٹا کیجے تو سیدھا پڑے ؛

پانچویں داستان تاج الملوک کے پہنچنے کی بکاؤلی کے باغ میں اور لینا پھول کا اور عاشق و فریفتہ ہونا بکاؤلی پر
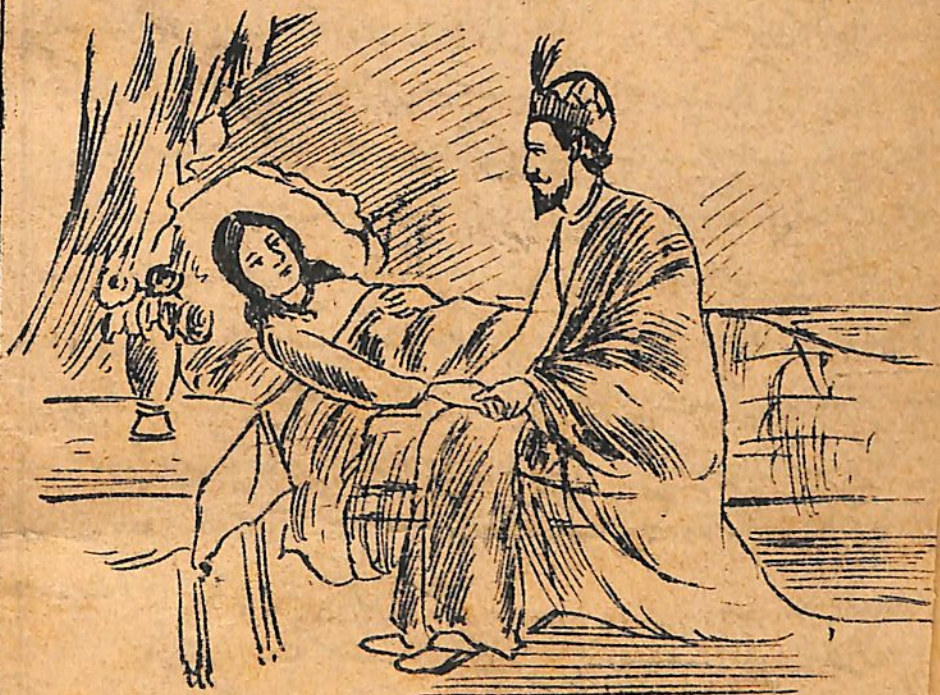
القصہ تاج الملوک تھوڑی مدت محمودہ کی صحبت میں رہا۔ لیکن اس غنچہ دہن کا دل اس کی باتوں سے رجھیں اس غنچہ کے پاس شگفتہ ہو کر نہ بیٹھا۔ ایک رات محمودہ نے شہزادہ سے کہا اے مایہ نشاط شاید آدمیوں کی یہی وضع ہے جو رات کو اپنے یار کے گلے لگ کر نہ سوئیں۔ الگ پڑے رہیں بوسہ و کنار نہ کریں کہ صبح کو جیسے کے تیسے اُٹھ کھڑے ہوں۔ تاج الملوک بولا۔ عیش و عشرت انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اس سبب سے میٹھے میٹھے کو جی نہیں چاہتا۔ بلکہ جان شیریں بھی تلخ ہے۔ کیونکہ مجھ کو ایک بڑی مہم درپیش ہے اور میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک وہ سر نہ ہو دنیا کی تمام لذتوں کو حرام سمجھوں۔ مگر عہد کے خلاف نہ کروں۔ محمودہ بولی وہ کیا ہے۔ بیان کر۔ کہا کہ میں ملک بکاؤلی کے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ محمودہ نے جواب دیا۔ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ تعالےٰ کل رشتہ امید کی گرہ ناخن تدبیر سے کھولوں گی اور وہ ملک تجھے دکھاؤں گی۔ خیر وہ رات تو جوں توں گذر گئی۔

جب مہتاب چھپا اور آفتاب نکلا۔ حمالہ دونوں کو خوابگاہ سے باہر لائی اور اپنے داہنے بائیں زانوؤں پر بٹھا کر شفقت بزرگانہ اور الطاف مادرانہ کرنے لگی۔ محمودہ بھی سرو قد اٹھ کر آداب بجا لائی۔ اور عرض کی اے اماں جان میں کچھ گذارش کرنا چاہتی ہوں۔ اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ حمالہ نے سر اور آنکھیں چوم کر کہا کہ بے تکلف کہو۔ محمودہ بولی۔ کہ یہ ملک بکاؤلی کے دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جسطرح تم سے ہو سکے ان کو وہاں پہنچاؤ۔ حمالہ نے چند در چند حیلے اور عذر کئے۔ آخرش دیکھا کہ لڑکی کسی طرح سے اس کا خیال نہیں چھوڑتی۔ ناچار قبول کیا اور چوہوں کے بادشاہ کو بلا کر فرمایا کہ ابھی وقت یہاں سے بکاؤلی کے باغ تک سرنگ کھود کر اس شہزادہ کو کہ میری حیات کا سرمایہ ہے اپنی گردن پر سوار کر کے اس باغ میں پہنچا دو۔ مگر خبردار سر مُو اسے آسیب نہ پہنچے۔ ہرگز اپنی گردن سے نیچے نہ اتر نے دیجو۔ اس نے بموجب حکم کے ویسا ہی کیا۔ باغ میں پہنچ کر شہزادہ نے آہستہ سے چاہا کہ اتر کر اس میں جائے چوہے نے نہ چھوڑا۔ اور ارادہ پھرنے کا کیا۔ تاج الملوک نے کہا کہ اگر تو مجھے اس باغ کی سیر کو جانے دے تو بہتر نہیں تو میں اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہوں۔ چوہا ڈرا کہ اگر یہ اپنی جان پر کھیل جائے گا تو میں بھی اپنی جان سے نہ بچوں گا۔ ناچار جانے دیا۔ تاج الملوک جا کر کیا دیکھتا ہے کہ سونے کی زمین پر زر خالص کی چار دیواری۔ اور اس میں لعل بدخشاں اور عقیق یمانی نیچے سے اوپر تک جڑے ہیں زمرد کے آس پاس فیروزے کی نہریں گلاب سے معمور جن کو دیکھ کر خدائی نظارے جاری ہیں۔ سبحان اللہ کیا سہانا باغ ہے کہ دیکھنے والوں کے منہ پر جیسے چمن کی سیر سے شفق پھولی ہوئی نظر آئے اور پھولوں کی سرخی سے گل سرخ آفتاب کی شرمندگی کے مارے پسینے میں ڈوب جائے وہاں کے انگور کا خوشہ زمردین عقدہ پروین کا رشک بڑھاتا ہے اور سنبل کا۔ ہر ایک زہرہ جبین کے گھنگروالے بالوں کو پیچ و تاب میں لاتا ہے اگر اس گلزار کے شبنم کا ایک قطرہ سمندر میں پہنچے۔ تو تمام مچھلیوں سے گلاب کی خوشبو آنے لگے۔ اور جو وہاں کے پرندوں کی صدا آسمان کے کان میں پہنچے تو پھرنے سے باز رہے اور اگر زہرہ سنتی تو فی الفور وجد میں آکر ناچتی ہوئی ماہتاب کے وہ بہیت زمین پر گر پڑتی یہاں کے معشوق کے فندقوں سے وہاں کے عناب نگین تر اور سرو و شمشاد وہاں کے قامت خوباں سے کہیں بہتر۔ اسکے ایوان کے شمع کا اگر مرغ زریں پروانہ ہو بجا ہے۔ اور مہتاب اسکی صفائی پر دیوانہ ہو رہا ہے۔ طرفہ تر یہ کہ لال کے درختوں میں موتیوں کے گچھے ایسے درخشاں ہیں جیسے خورشید کے سحر میں ستاروں کے خوشے آویزاں۔ گلاب کے حوضوں پر زمرد کی ڈالیاں ہوا سے جھک جھک کر گریں اور لطیف گوہر شب چراغ کی ان میں تیرتی پھریں۔ شہزادہ یہ رنگ دیکھتا بھالتا قدم بڑھائے چلا جاتا تھا کہ ایک دالان

صرف یاقوت کا اور اسکے سامنے زبرجد کا اور بیچ میں انکے ایک حوض مرصع پاکیزہ گلاب سے بھرا۔ اس کے اطراف کی ناندوں میں جواہر خوش آب کے گٹے دیئے ہوئے اور اسمیں ایک پھول نہایت لطیف و نازک خوشبودار کھلا ہوا نظر آیا۔ تاج الملوک نے اپنے ذہن کی رسائی سے دریافت کیا کہ ہو نہ ہو گل بکاولی یہی ہے۔ فوراً کپڑے اتار کر حوض میں کودا اور گل مقصود کو لے کر کنارے پر آیا۔ پوشاک پہنی اور اس کو کمر میں باندھ لیا۔ پھر محل کی سیر کو متوجہ ہوا۔ آگے بڑھتے ہی ایک قصر عقیق یمانی کا نظر آیا۔ کہ دروازے اس کے ہم پہلوئے آسمان تھے اور بلور کے بنے ہوئے تھے اسکے ہر مکان کی چمک کے آگے دہوپ پھیکی اور چاندنی دہندلی۔ یہ پروانے کی مانند شوق کے بال و پر کھولے ہوئے اسکے اندر بید ھڑک چلا آیا ہر ایک دالان خوش اسلوب عقیق اسکا بہت خوب اسکی ساخت کی نئی آئین خوش قطع۔ ہر ایک صدر نشین نظر پڑے پردے۔ اس کی کار چوبی جا بجا سلمے کی سیل۔ ستاروں کے لوٹے سب دروں پر چھوٹے ہوئے تھے۔ شہزادہ اس میں بھی در آیا ہکا بکا سا کھڑا رہ گیا۔ ایک جڑاؤ پلنگ پر ایک نازنین دبلی پتلی مست خواب بے حجاب نظر آئی۔ بال بکھرے ہوئے کا مل پھیلا ہوا۔ انگیا مسکی ہوئی۔ کرتی کھسکی ہوئی۔ پائجامہ بڑھا ہوا۔ لچھا ازار بند کا لٹکا ہوا ناز سے ماتھے پر ہاتھ رکھے ہوئے جوانی کی نیند میں بیخبر سوتی ہے۔ اسکے رخسار آفتاب سے زمین و آسمان نورانی آئینہ مہر و ماہ کو حیرانی اور اسکی چشم سیاہ و مست سے نرگس کو مدام پریشانی لب نازک کے رشک سے لالہ خون میں غلطان اور ابروئے خمدار کی چاہ سے ہلال زار و ناتوان۔ بہار چمن اسکے غنچہ دہن سے کوئی حرف نہ سُنے تو اطفال شگوفہ کو پھبنے کا سبق نہ دے سکے اگر زنگی شب اسکی زلف مشکیں کے سایہ میں آئے تو آفتاب کی تیغ شعلے سے مارا جائے۔ اشعار۔ سرو قد گلعذار عنبر سُکریں لب عزیز دل ہر رو۔ کہیں پردہ سے گر وہ باہر آوے۔ چاند و سورج جوت یکسر جاوے۔ بسلک دنداں سے گر خبر پاتا۔ تو ثریا کو پردہ ہی بھاتا۔ وصف کرتا ہے کیا نزاس گل کا۔ اسکی بلبل کو اس چمن میں لا تاج الملوک دیکھتے ہی بے خود ہو کر گر پڑا۔ ایک ساعت کے بعد جو ہوش آیا تو خود کو سمہالکر جوں توں اس کے سرہانے تک پہنچا یا اور ایک دم سرد دل پُر درد سے بھر کر یہ اشعار پڑہا ہے۔ اشعار۔ جب اٹھا کر نقاب ہو تو عیاں۔ کھینچے شرمندگی مہ تاباں۔ تیرے گیسوئے مشک فام میں یار۔ لیلۃ القدر رہتی ہی پنہاں مست ہر دم شراب حُسن سے ہے۔ کبکی پرواہ ہوا سے مہتاباں۔ ہم پہ کیا کیا گذر گیا لیکن۔ نہ ہوئی کچھ خبر تجھے جاناں۔ القصہ شہزادے نے اپنے دل میں تجویز کی کہ یہاں اپنے آنے کی نشانی کچھ چھوڑ جانا چاہیئے۔ یہ سوچکر اس پری کی انگوٹھی تو آہستگی و نرمی اتار لی۔ اور اپنی انگوٹھی اس کو پہنادی۔ پھر انکھیں پھیر کر یہ اشعار پڑہتا ہوا وہاں سے چلا ؞

اشعار

لالہ ساں اس باغ سے ہم داغ ہجراں لے چلے — خاک سر پہ داغ دل پر سینہ بریاں لے چلے
باغ دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا بدنصیب — آئے ایسے باغ میں اور خالی داماں لے چلے

آخر شہزادہ اسی حالت خواب میں اس سے جدا ہوا و داع ہوا۔ اور سرنگ کی راہ سے چوہے پر سوار ہو کر اپنے مکان میں آیا۔ حمالہ دیونی کہ شہزادہ کے انتظار میں رونی صورت بنائے خون جگر آنکھوں میں بھرے ہوئے بیٹھی تھی۔ اسکے پہنچتے ہی اس کا غنچہ خاطر کھل گیا۔ دن ہنسی خوشی میں کٹا۔ اتنے میں عروس روز نے شفق کے گھونگٹ میں اپنا منہ چھپایا اور محبوبہ شام نے طرۂ مشکفام دکھایا۔ تاج الملوک نے اپنی امنگ سے رنگ محل میں گیا اور اس رات محمودہ سے ہمکلام اور ہمکنار ہوا۔ بلکہ اسی طرح سے چند روز عیش و عشرت میں کاٹے ۔

چھٹی داستان تاج الملوک اور محمودہ کے رخصت ہونے میں حمالہ سے اور دلبر کے پاس پہنچنا

کہتے ہیں کہ ایک رات تاج الملوک محمودہ سے خلوت میں ادہر ادہر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا اے سایہ عیش و شادمانی اگرچہ اس جگہ سب طرح کی خوشی ہے اور کسی طرح کا رنج نہیں۔ ہر وقت جو اسباب نشاط چاہیئے وہ سب موجود ہے لیکن کب تک ہم وطن اور ہمجنسوں سے دور رہیئے۔ اور کہاں تک ہم دوستوں کی جدائی کا غم سہیئے۔ کچھ ایسی تدبیر کیا چاہیئے۔ کہ اس مجلس ناجنس سے رہائی پایئے اور دشمنوں کے پنجے سے چھوٹ جائیے۔ شعر۔ ہے عزیزوں ہی کی صحبت سے تو جینے کی بہار۔ ورنہ کیا فائدہ ہے خضر سا تنہا رہنا۔ محمودہ نے کہا خاطر جمع رکھیئے۔ کل رخصت لوں گی۔ جب عطار گردوں نے مشک تاتار شب سے شیشۂ ماہ بھر کر طاق مغرب میں دہرا اور خوان زریں آفتاب کا دوکان مشرق پر رکھ کر کافور صبح سے بھرا۔ حمالہ دو بھاری بھاری خلعت اور کئی خوان میوے کے تیار کر کے دونوں کو خوابگاہ سے باہر نکالا پھر خلعت پہنا کر اور میوہ کھلا کر داہنے بائیں زانوؤں پر دونوں کو بٹھالیا۔ اور سر منہ چومنے لگی۔ اس شفقت پر بھی دونوں کا غنچہ خاطر نہ کھلا۔ تب بولی کہ دختر با تمیز و اے داماد عزیز! جو تمنا تمہارے دل میں ہو سو کہو۔ اگر آسمان کے تارے بھی مانگو گے تو اتار لاؤں گی۔ محمودہ نے اٹھ کر

بعد تسلیم کے عرض کی کہ تمہاری توجہات اور عنایات سے کوئی آرزو ہمارے دل میں باقی نہیں ہے
اگرچہ تمہاری آتش جدائی ہمارے چمن عشرت کو جلائے گی اور تمہاری مجلس سے جانا گویا جان کی رخصت
ہے۔ لیکن ہر ساعت ہم جنسوں کا شعلۂ فراق میرے سینہ میں بھڑکتا ہے۔ اس نے دل و جگر کو جلا کر
خاک سیاہ کر دیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو چند روز اپنے ہمجنسوں کی صحبت میں جاؤں اور ان کے
آب وصال سے آتش دوری کو بجھاؤں ؎

کہیں رہوں میں پرستار ہوں گر تیرے ہی

حمالہ نے اس بات کے سنتے ہی ٹھنڈی سانس بھری۔ اور کہا کہ میں نے اسواسطے تجھے
پرورش کیا تھا۔ کہ آنکھوں کو صبح و شام بلکہ مدام تیرے دیدار سے روشن رکھوں پر تو کیا کرے حق بجانب
تیرے ہے میں خوب جانتی کہ یہ فتنہ سویا ہوا شاہزادہ نے جگایا اگر پہلے میں جانتی تو ہرگز تیرا بیاہ اس سے
نہ کرتی ؎ یہ ہے گناہ میرا کچھ نہیں خطا تیری۔ قصہ مختصر حمالہ نے دیکھا کہ اب ان کا دل ہرگز یہاں نہیں
لگتا۔ تب ایک دیو کو بلا کر کہا کہ جہاں کہیں شاہزادہ کی مرضی ہو باہتمام و باحتیاط تمام وہاں پہنچا دے۔ اور
ان کی رسید مجھے لادے تو تیری جان کی خلاصی ہوگی۔ اسکے بعد حمالہ نے دو بال اپنے سر سے اکھاڑ کر
ایک تاج الملوک کو اور دوسرا محمودہ کو دیا اور کہا کہ جس وقت کوئی مہم تجھ کو درپیش ہو۔ تو یہ بال آگ پر
رکھنا اور مجھ کو اٹھارہ ہزار دیو سمیت بات کی بات میں وہاں پہنچا جاننا۔ اور تاج الملوک کے ہاتھ میں
محمودہ کا ہاتھ دیکر یہ شعر پڑھا ؎ سپردم بتو مایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم و بیش را کہنے والے نے یوں کہا
ہے کہ اسی وقت وہ دیو پہاڑ کی مانند بجلی سا تیز دوڑ آیا۔ پوچھنے لگا کہاں فرماؤ وہاں پہنچا دوں۔ شہزادہ
بولا۔ شہر فردوس میں دلبر لکھا بیسوا کے باغ میں۔ یہ سنتے ہی ان دونوں کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر۔
ایک پل میں وہاں جا کر اتارا اور رسید مانگی۔ تاج الملوک نے کہا ذرا تامل کر میں لکھ دیتا ہوں۔ جونہی
یہ آواز بیسوا کے کان میں پڑی سنتے ہی دوڑی آئی اور شہزادہ کے قدموں پر گر پڑی۔ پھر سجدہ شکر بجا لا کر
بولی ؎ ہر مو کی جگہ تن پہ اگر میرے زباں ہو۔ تو بھی نہ تیری بندہ نوازی کا بیاں ہو ؛ شہزادہ نے اپنے
پہنچنے کا حال لکھ کر دیو کو دیا۔ اور رخصت کیا۔ اسکے بعد بیابان کی مصیبت اور دیو ستم پیشہ کی شفقت۔
حمالہ کی مروت اور محمودہ کے نکاح کی کیفیت۔ گل بکاولی کے ہاتھ آنے کا ماجرا اور حقیقت مفصل اس سے
بیان کی۔ پھر وہ اٹھ کر محمودہ سے ملی اور بہت سی اسکی دلداری کی اور مہمان نوازی کی۔ شہزادہ نے وہاں چند
روز توقف کیا پھر اپنے ملک کی طرف جانے پر مستعد ہوا۔ اسواسطے کہ گل بکاولی کے پہنچنے
سے اس بلبل منتظر کی آنکھیں روشن ہوں۔ اسواسطے فرمایا کہ اسباب سفر کا تیار کریں۔

کشتیوں پر بار کریں۔ اہلکار اسی طرح عمل میں لائے۔ اتنے میں بندیخانہ کے داروغہ نے آکر عرض کیا۔ کہ یورپ کے شاہزادوں کے حق میں کیا حکم ہوتا ہے۔ تاج الملوک صاحبہ خانہ کی طرف متوجہ ہوکر بولا کہ ہرچند میں بھائیوں کی سفارش کروں۔ مگر تو قبول نہ کیجو۔ جب تک کہ وہ مہر کا داغ اپنے اپنے چوتڑوں پر نہ کھائیں۔ جونہی داروغہ زندان اُن شہزادوں کو تاج الملوک کے روبرو لایا۔ شہزادہ تاج الملوک نے بہت سی سفارش کی۔ کہ اکثر شہزادے .... پورب پچھم کے تو نے چھوڑ دیئے ہیں۔ ان بے چاروں کو بھی اس قید سے نجات دے۔ کہ تمام لوگوں میں تیری نیک نامی ہو۔ اور اپنے خالق کے روبرو بھی سرخرو ہو۔ وہ بولی آپ اس میں دخل نہ دیں۔ میں ان کو ہرگز نہ چھوڑوں گی الا ایک صورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ سب اپنے چوتڑوں پر میری مہر کا داغ کھائیں۔ شہزادوں نے اسکے سوا اور کچھ اپنی رہائی کی صورت نہ دیکھی۔ ناچار قبول کیا۔ اور چوتڑوں پر داغ کھائے۔ اور جان سلامت لے گئے۔ تاج الملوک نے چلتے وقت ایک ایک خلعت اور لاکھ روپے خرچ کے واسطے دلوائے۔ اور انہوں نے اور کسی شہر میں کچھ جمعیت بہم پہنچائی اور پھر وطن کی راہ لی۔ تاج الملوک نے بھی دلبر اور محمودہ کو مع اسباب اپنے ملک کی طرف تری کی راہ سے رخصت فرمایا اور ارشاد کیا کہ فلانے شہر میں پہنچ کر مقام کرنا۔ میں بھی عنقریب لشکر با خیریت خشکی کی راہ سے پہنچتا ہوں ؎

ساتویں داستان تاج الملوک کے ملنے کی بھائیوں سے اور اُن کا چھین لینا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے

کہتے ہیں کہ تاج الملوک فقیروں کے بھیس میں اپنے بھائیوں کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا۔ کہ ان کا ارادہ کماحقہ دریافت کرے۔ الغرض وہ جہاں اُترے ہوتے تھے۔ وہ بھی آن پہنچا اور ایک کونے میں بیٹھ کر ان کی لن ترانیاں اور جولانیاں جھوٹی سننے لگا۔ آخر رہ نہ سکا۔ سامنے آکر دو بدو کہنے لگا آپس میں یہ کیا بیہودہ باتیں کر رہے ہو۔ اپنا منہ دیکھو گل بکاؤلی میرے پاس ہے۔ اور اسی وقت اس کو کمر سے کھول کر ان دغابازوں کے سامنے رکھ دیا۔ شہزادے غصہ میں آکر بولے بھلا اس کو اگر تیری بات سچی نہ ہو تو جو ہم چاہیں تجھ کو سزا دیں۔

تاج الملوک نے کہا کہ سانچ کو کیا آنچ۔ بہت بہتر۔ پھر ایک اندھے کو بلا کر پھول اس کی آنکھوں پر ملا وہ اندھا فوراً بینا ہو گیا۔ وہ اس تماشے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آخر نادم ہو گئے۔ اور وہ پھول تاج الملوک سے زبردستی چھین لیا۔ اور مارے طمانچوں کے اس کا منہ لال کر دیا۔ پھر گردن میں ہاتھ دے کر وہاں سے نکال دیا۔ اور خرم و شاداں وطن کی راہ لی۔ چند روز کے بعد اپنے ملک کی سرحد میں پہنچے۔ اور ایک پیک کو آگے بھیجا اور کہا کہ بادشاہ کو ہمارے آنے کی خبر پہنچا دو۔ وہ ان کے حکم کو فی الفور بجا لایا۔ جب بادشاہ نے یہ خبر فرحت افزا سنی تو باغ باغ ہو کر یہ قطعہ پڑھا۔ قطعہ:- نباد لائے مجھے آیا یہ قاصد جاناں۔ کہ درد کھونے کو پہنچا ہے صاحب درماں۔

ہر ایک غنچہ خاطر کھلا ہے کنعاں میں — نسیم لائی ہے بوئے یوسف کنعاں

حاصل کلام بادشاہ خود کئی منزل استقبال کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب دوچار ہوئے۔ شہزادوں نے قدمبوسی کی۔ اور بادشاہ نے ان کا ماتھا چوما۔ ہر ایک کو چھاتی سے لگایا۔ الطاف فرمایا۔ پھر شہزادوں نے گل بکاؤلی کو نذر کیا۔ حضرت نے جونہی آنکھوں پر ملا۔ اسی وقت تارا کی طرح آنکھیں روشن ہو گئیں۔ تب کہا الحمد للہ دیدۂ ظاہری

اس پھول نے نورانی کیا۔ اور دیدہ باطن بیٹوں کے دیدار سے منوّر ہُوا۔ اس کے بعد بادشاہ نے جشن فرمایا اور تمام شہر میں منادی کروادی۔ کہ ہر ایک امیر فقیر اس شہر کا دروازہ عیش و عشرت بیس روز تک کھلا رہے اور غم والم کا بند رکھے۔

آٹھویں داستان بکاؤلی کے جاگنے کی اور گلاب کے حوض میں گل کو نہ دیکھنے کی اور اسکے چور کی تلاش میں نکلنے کی

خمخانہ سخن کا ساقی اس پرانی شراب کو نئے پیالے میں یوں بھرتا ہے کہ جب بکاؤلی نے وہ جادو بھری آنکھ کھولی۔ اور خواب راحت سے چونکی۔ انگیا کرتی درست کر کے پشواز ناز سے پہنی کنگھی سے بالوں کو سنوارا اور دوپٹہ اوڑھا۔ پھر آہستہ آہستہ جھومتی اٹکھیلیوں سے حوض کی طرف چلی۔ ہر قدم پر وہ گل اندام اپنے قدم سے زمین کو پائین باغ بناتی تھی اور گرد راہ سے چشم بلبل میں سرمہ لگاتی تھی۔ جب حوض کے کنارہ پر پہنچی۔ دست نگارین سے اپنے رخسار پر گلاب ڈالتی اور چہرہ کا غبار کہ عنبر کی مانند تھا۔ دھو دھو کر گلاب میں ملنے لگی۔ اور اس حوض کو اپنی جادو بھری نظر اور چشم مست ناز سے دیکھنے بھالنے لگی۔ ناگاہ گل بکاولی پر نگاہ جا پڑی ہر چند بغور و تامل نگاہ کی۔ کچھ اس کا نشان نظر نہ آیا۔ تب تو سوتے کی طرح اس سیم تن کے چہرہ پر زردی چھا گئی۔ اور غنچہ کی مانند سموم غم سے کملائی اتنے میں انگوٹھی پر نگاہ جا پڑی۔ حیرانی زیادہ بڑھی۔ گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگی اور دل میں یوں کہنے لگی۔ یاالٰہی یہ خواب دیکھتی ہوں یا عالم طلسم ہے۔ پھر بولی اگر طلسم ہوتا تو علامتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ پس اس صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انسان کا ہے نہیں تو دوسرے کی کیا طاقت ہے کہ اٹھارہ ہزار دیو سے بچ کر یہاں پر سلامت پہنچے اور گل مقصود کو بے کھٹکے لے جائے۔ پھر جس وقت اپنی برہنگی کی حالت اس کو یاد آتی تھی دریائے شرم میں ڈوب جاتی تھی۔ اور یہ چند اشعار اپنے حسب حال پڑھتی تھی:۔

اشعار:۔ اے چور تو اپنا نام بتلا۔ چوری کا سبب تمام بتلا۔ دنیا میں نہیں ہے کوئی تجھ سا۔ انسان سے تو ہو یہ کام اصلا ہے چور کو اپنے مال سے سروکار۔ تکتا ہے وہ سیم و زر کو یکبار۔ میں دیکھوں جو تیرے دست گلگوں۔ آنکھوں سے لگاؤں بلکہ چوموں۔ ہر جنس یہاں اُدھر ادھر تھی

پر ادھر کہیں تیری نظر تھی۔ سینے میں تو سُرنگ لگا کر۔ دل لے گیا مفت میں چُرا کر۔ دیکھا نہیں
گو نگاہ بھر کر۔ پر آنکھ پڑی ضرور لب پر۔ گر سیر خواہ نہ تو یہ مانا۔ اس شہد کا پر مزا نہ جانا۔ جو نقد تھا
اس کو لے گیا ہے۔ صندوق فقط یہاں پڑا ہے۔ الغرض افسوس کرتی ہوئی حوض کے کنارے
سے اٹھ کر یاقوت کے مکان میں جا بیٹھی۔ اور پریوں کو بلا کر اس بے خبری کی ہر ایک کو سزا
دینے لگی۔ مگر یہ نہ سمجھی کہ جس وقت تیر تقدیر کا چھوٹے پھر سپر تدبیر سے کوئی نہ روک سکے۔
تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ پھر جھنجھلا کر پریوں سے کہنے لگی۔ کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتی
ہو تو میرے چور کو جنسہ لا کر میرے سامنے حاضر کرو۔ یہ سن کر سات سو پریاں چاروں طرف
تلاش کے واسطے ہانپتی کودتی پھاندتی دوڑیں۔ لیکن کہیں اس بے نشان کا نشان کسی
نے نہ پایا۔ سچ ہے بے نشان کا نشان وہ پائے جو آپ اپنے کو بے نشان بنائے بیت
جو پیچھے گم شدہ کے کوئی جائے۔ کرے گم آپ کو جو اس کو پائے ٭ بکاؤلی کہ دل اس کا
تیر عشق سے چھل گیا تھا۔ درد کی شدت سے بلبلاتی تھی۔ کمان کی طرح چلاتی تھی۔ آخر بیتابی
کے مارے گوشہ چھوڑ کر رشتہ شرم وحیا کو توڑ کر چور کی تلاش میں کمر ہمت باندھ کر ہر صبح نکلی
جہاں جاتی اسے کوئی نہ دیکھتا۔ اور وہ ہر ایک کو دیکھتی اور پرکھتی جانچتی۔ غرض اسی طرح پھرتے
پھرتے پورب دیس میں جا نکلی کہتے ہیں۔ جب زین الملوک کے شہر میں وارد ہوئی۔ جس کوچہ
بازار میں دیکھتی وہاں اسباب عیش وعشرت کا مہیا پاتی۔ ہر ایک دروازے پر نوبت شادمانی بجتی
یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر حیران ہوئی۔ آخر کار اپنے آپ کو پندرہ سولہ برس کا ایک جوان شکیل دیدار
بنا کر کسی سے پوچھا کہ اس شہر میں چھوٹے بڑے کی خوشی کا کیا سبب اور خاص وعام کی خوشی
کا کیا باعث کہ برخلاف آئین حکمت ہے۔ کسی نے کہا کہ یہاں کا بادشاہ قضائے الٰہی سے
اندھا ہو گیا تھا۔ اس کے بیٹے مدت مدید کے بعد بہت سی مصیبت اور رنج اٹھا کر گل بکاؤلی
لائے جس سے بادشاہ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ ارشاد کیا کہ برس دن تک سب اعلےٰ
ادنےٰ اپنے دروازوں پر نوبت دھریں۔ اور عیش کریں۔ بکاؤلی نے مژدۂ جاں بخش سنکر
کہا الحمد للہ پائے مطلب نے منزل مقصود پائی۔ محنت ٹھکانے لگی۔ یہ ملک ابھی فتنہ انگیز
کا ہے امکان ہے کہ وہ بھی ہاتھ آئے۔ اور خلش مٹ جائے پھر دریا کے کنارے جا کر
کپڑے اتارے۔ پانی میں اُتری۔ نہا دھو کر راہ کی ماندگی کھو کر کلفت دھو کر اور ایک جوان حسین
بن کر پوشاک مردانہ پہن کر بادشاہی محلوں کی طرف توجہ کی۔ اور بازار میں ناز سے آہستہ آہستہ

چلتی تھی۔ جس طرف چشم سرما سا اٹھاتی۔ اسے نقش پا کی طرح مٹاتی اور جس دم تیغ ابرو یا خنجر مژگاں دکھاتی اہل نظر کو بسمل بناتی اور جس وقت زلف پرپیچ کو تاب دیتی تماشائیوں کے دل کو پیچ و تاب میں لاتی۔ غرضیکہ جو اس کے سامنے آتا سکتہ ہو جاتا۔ آخر تمام شہر میں اس کے حسن و جمال کا غل پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کے گوش گذار ہوا۔ چنانچہ حضور سے ارشاد ہوا۔ کہ اس جوان رعنا کو ہمارے پاس لاؤ۔ قصہ کوتاہ۔ حضور اعلےٰ میں اسے لے گئے۔ حضرت نے پوچھا کہ کہو کہاں سے آنا ہوا۔ اور تمہارا نام کیا ہے۔ اور کس واسطے آئے ہو۔ جوان نے عرض کی وطن تو غلام کا پچھم ہے اور نام فرخ ہے۔ نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔ اب جہاں پناہ کے تفضلات سے امید ہے کہ حضور کے ملازموں میں سرفراز ہوں۔ تا دعائے دولت میں بخاطر جمع مشغول رہوں۔ زین الملوک نے کہا۔ بہت بہتر۔ حاضر رہو۔ اور خواصوں میں باعزت تمام سرفراز کیا۔ بلا قید کی پروانگی ہوئی۔ تھوڑے دن گذرے تھے۔ کہ چاروں شہزادے ایک روز بارگاہ سلطانی میں آئے۔ بادشاہ نے شفقت سے ہر ایک کو چھاتی سے لگایا۔ اور سر آنکھیں چومیں بکرسی پہ بیٹھنے کو اشارہ کیا۔ وہ تسلیم بجا لا کر بیٹھ گئے۔ بکاؤلی نے کسی سے پوچھا۔ کہ یہ کون ہیں۔ اس نے کہا تم نہیں پہچانتے یہ بادشاہ کے بیٹے ہیں۔ تب اس نے ہر ایک کے قیافہ کے سونے کو امتحان کی کسوٹی پر کسا۔ مگر کھرا نہ پایا کھوٹا ہی پایا۔ پوچھا کہ کوئی اور بھی بادشاہ کا بیٹا ہے۔ جوان کے ساتھ گل بکاؤلی لینے گیا تھا۔ اس نے کہا اور کوئی نہیں۔ جب اس پہ ثابت ہوا کہ بادشاہ کا کوئی اور بیٹا نہیں۔ نہایت گھبرائی۔ اپنے آپ سے لڑنے لگی اور یہ اشعار پڑھے۔

اشعار:۔

اے بخت زبوں تو نے کیا کیا۔ یہ عقدہ کام میں میرے کیوں ڈالا۔ نہ کھولے ناخن تدبیر جس کو۔ یہ وہ ہے کہتے ہیں تدبیر جس کو۔ اگر دیکھے کوئی خواب پریشاں۔ تو ہے تعبیر دینی اس کی آساں۔ مگر میرا معمہ ہے یہ لاحل۔ کسی مخلوق سے ہووے گا کیا حل۔ کروں کیا خواب کی اپنے میں تقریر۔ نہیں اس خواب کی ہرگز یہ تعبیر۔ وہ کون سا عیار تھا۔ جو اس باغ میں سے گل لے گیا۔ اس کی نیرنگ سازی کے افسوں نے میرے شیشۂ دل ننگ و ناموس کو پھوڑا اور غائبانہ تیر عشق سے میرے سینہ کو توڑا۔ میں نے اسکی کس قدر جستجو کی کیا کیا محنت اور مشقت کی بارے یہاں بھی اس گل کا نشان نہ ملا۔ ذرا میرا غنچۂ دل نہ کھلا۔ بیت۔ نہیں کچھ شبہ بے شک میں نے جانا۔ یہی ہے چور میرے کا ٹھکانا۔ فلک کج رو نے میرا کھیل بگاڑا۔ آبادی

کی صورت دکھا کر اجاڑا ہے کہاں جاؤں کروں میں کس سے فریاد۔ نہیں بس کرتی ہوں میں داد بیداد
القصہ بکاؤلی نے اپنے دل میں ٹھہرایا کہ البتہ بادشاہ کا کوئی اور بھی بیٹا ہوگا۔ کیونکہ ان سب
نادانوں کے قیافہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس امر دشوار کی تحصیل ان سے ہوئی۔ بہرحال چندے
اور بھی صبر کیا چاہیئے۔ دیکھوں تو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیا الٹی بات
ہے۔ کہ معشوق عاشق کا طالب ہو۔ اور عاشق اس کا مطلوب۔ لیکن بنظر تحقیق سے جو غور کرے
تو سیدھی لگے۔ کیونکہ جب تک معشوق کو خواہش عاشق کی نہ ہو۔ اس کی چاہت اکارت ہے۔
اور کوشش بے فائدہ ہے۔ آتش طلب کی جو عاشق کے گریبان سے مشتعل ہے وہ فی الحقیقت
لگائی ہوئی معشوق کی ہے ؎ عشق اول در دل معشوق پیدا میشود۔ تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود
بات بڑھ گئی۔ قلم کہتا ہے کہ اے شخص بس کر۔ میں نے لکھنے میں بہت کوشش کی اور ہاتھ اپنی سعی
کا دعوے کرتے تھے۔ کہ قلم نے کیا کیا ہم نے لکھا۔ بازو اپنے تردد کا دم بھرتا ہے کہ دست اور قلم
سے کیا جو کچھ کیا میں نے کیا۔ غرضی اسی طرح اسباب تحریر کے بڑھے اور ایک کو ایک پہ فوقیت ہوگئی
دفعتاً ایک ایسا سبب پایا گیا کہ وہ محتاج کسی کا نہ تھا۔ پس اے عزیز اگر تو بتا دے کہ فی الحقیقت
کس کی سعی ہے اور ظاہر میں کس کی تو میں عاشق و معشوق کی سعی کا جواب دوں +

نویں داستان حمالہ کے پہنچنے کی تاج الملوک کے پاس دیووں سمیت اور بکاؤلی کی سی حویلی اور باغ تیار کرانے میں

جب تاج الملوک سے ان ناعاقبت اندیشوں نے گل بکاؤلی چھین لیا وہ بیچارہ دل میں پیچ وتاب کھاکر رہ گیا مثل ہے قہر درویش بہ جان درویش۔ پھر ان کج فہموں کے پیچھے پیچھے بعد چند روز کے اپنے باپ کی سرحد میں ایک جنگل جو درندوں کا مسکن تھا میں پہنچا۔ اور اس میں چقماق سے آگ جھاڑ کر حمالہ کے دیئے ہوئے بال کو اسپر رکھ دیا۔ چوتھائی بھی نہ جلا ہوگا کہ اٹھارہ ہزار دیووں سمیت آپہنچی۔ اور تاج الملوک کو فقیروں کے بھیس میں دیکھ کر آگ ہوگئی۔ اور کہا کہ اے شہزادے میری بیٹی کو کیا کیا اور تو نے یہ اپنا حال کیا بنایا۔ تاج الملوک بولا کہ آپ کی توجہ سے سب طرح خیریت ہے۔ لیکن ایک کام مجھے نہایت ضروری ہے اول اسکی تدبیر مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ اسواسطے آپکو تصدیعہ دیا جاتا ہے۔ تب حمالہ نے کہا اے عیار باتیں نہ بنا وہ ایسا کونسا کام ہے کہیں جلد کہہ۔ تب شہزادہ نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اس جنگل میں ایک محل اور باغ بکاؤلی کے ہوبہو قصر اور باغ سا بناؤں۔ تم جسطرح جانو جلد بنادو۔ وہ بولی اے بیٹا یہ کتنی بڑی بات ہے۔ مگر میں تو اس کے باغ اور عمارت کو پہچانتی نہیں۔ بھلا بن دیکھے مکان کا نقشہ کیسے بنادوں اور بنواؤں۔ تاج الملوک بولا جسطرح میں کہوں اسی طرح بنوادو۔ حمالہ نے اسی وقت کئی سو دیو لعل بدخشانی کے واسطے اور سینکڑوں عقیق یمانی کے لیئے اور ہزاروں سونے روپے اور جواہرات بیش قیمت کے واسطے ہر چہار طرف بھیجے دیووں نے تین روز کے عرصہ میں جواہرات وغیرہ کے جابجا تودے لگا دیئے۔ پھر شاہزادہ جس طرح بتانے لگا اسی طرح وہ بنانے لگے۔ پہلے تو دو نیزے مٹی کھود کر پھینکدی۔ اور وہاں زر خالص بھر دیا۔ اور اسی قطع طلائی پرجڑاؤ عمارت بناڈالی۔ غرض تھوڑے ہی دنوں میں ویسا قصر اور اسی طرح کا باغ جواہر نگار۔ جڑاؤ نہریں درختوں سمیت اور زبرجد اور یاقوت کے دالان عالیشان آمنے سامنے بیچ میں انکے ایک حوض مرصع اسی طرح گلاب سے معمور بنایا۔ ہر ایک مکان میں فرش اسی رنگ کا بچھایا۔ حاصل یہ ہے کہ جتنا جواہر سونا روپیہ دیو لائے تھے۔ اس میں سے آدھا مکانات کے بنانے میں خرچ ہوا اور چوتھائی کارخانجات کی تیاری کو دیا۔ باقی خزانے میں داخل کیا سب عمارت جب بن چکی اور تاج الملوک کو پسند آئی۔ تب حمالہ نے اس سے کہا کہ تو بھی جانتا ہے کہ میں نے تیرے واسطے کس قدر رنج اٹھایا۔

دُکھ سہا۔ اسکے سوا دیووں کو آدمیوں سے کمال مخالفت ہے میں نے برعکس تجھ سے محبت کی اور کس شفقت سے
پالا اور پرورش کیا۔ علاوہ اس کے بکاؤلی ملک میں کہ آج تک کوئی نہیں گیا اور تجھے پہنچایا۔ پھر سبب
اس حرکت کا کہ تجھ سے وہاں ہوئی۔ اسکے ہاتھ سے میں نے کیا کیا صعوبت و زحمت اٹھائی سو یہ
محمودہ جان کی خاطر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کا دامن ہوائے روزگار سے غبار آلودہ ہو یہ کہہ کر رخصت کی
اسکے بعد جس انعام میں محمودہ اور دلبر کو استقامت کیلیئے فرمایا تھا۔ اسی طرح شاہزادہ بڑے ٹھاٹھ سے
گیا اور ان کو جڑاؤ عماری میں سوار کیا پیچھے پیچھے خواصوں کے محافے تھے۔ جس پہ کارچوبی اور سلطانی
بانات کے پردے پڑے ہوئے تھے آگے آگے غلام خوش پوشاک سونے روپے کے عصا
ہاتھ میں لئے گھوڑوں پہ سوار اہتمام کرتے ہوئے اسی تجمل سے اس قصر عالی میں دونوں کو داخل کیا
اور عیش و عشرت سے اوقات بسر کرنے لگا؛

دسویں داستان خبر پہنچنے میں عمارت بنانے میں تاج الملوک کے زین الملوک کے

معمار شیریں سخن کارخانہ داستان کے بنانے کا حال اسطرح کہتا ہے کہ تاج الملوک کے غلاموں میں ساعد نام ایک
بیابان میں سیر کرتا پھرتا تھا۔ ناگاہ اس کی نگاہ کئی لکڑہاروں پر کہ لکڑیوں کا بوجھ لئے جاتے تھے جا پڑی۔
اس نے پوچھا تم کون ہو اور یہ لکڑیاں کہاں لئے جاتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہم شہر شرقستان کے لکڑہارے
ہیں۔ یہی ہمارا کسب ہے۔ اس سے ہمارے لڑکے بالے جیتے ہیں۔ دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ اس نے کہا

کہ آج تم یہ گٹھے میرے آقا کے باورچی خانہ میں لیچلو دولتخانہ اسکا نزدیک ہے۔ اسنے اِس ویرانی میں ایک
شہر آباد کیا ہے۔ واجبی قیمت ملیگی۔ بلکہ ایسا انعام پاؤ گے کہ پھر اور کہیں نہ جاؤ گے انہوں نے کہا۔ ہماری
تمام عمر اسی کام میں اور اسی بیابان سے لکڑیاں لیجاتے گذری۔ لیکن آبادی کا یہاں نشان نہ دیکھا نہ سُنا
ساعد نے کہا ذرا تم آگے بڑھ کر دیکھو اگر میرے کہنے کا اثر ہو تو بہتر ورنہ تمہارے پھر آنے کا کوئی مانع
نہ ہوگا۔ لکڑہارے انعام کے لالچ سے ساعد کے آگے ہو لیئے پھر تھوڑی دور جا کر سب یکبارگی پکار اُٹھے
کہ نعوذ باللہ اے میاں تم ہمیں کیوں آگ میں جھونکنے کیلیئے جاتے ہو چولہے میں جائے۔ انعام اور پہاڑ میں
پڑے اکرام بس ہمیں معاف کرو ہم نے بھر پایا ساعد نے کہا کہ یہ شعلۂ آتش نہیں حویلی کے جواہرات کی
چمک ہے۔ تم ہرگز اندیشہ نہ کرو اور میرے ساتھ چلے آؤ وہ اسکے کہنے سے کچھ اور بھی بڑھے آگے جا کر
ساری زمین سونے کی نظر آئی سب نے اسکی بات سچی جانی۔ قدم اٹھائے بیدھڑک چلے وہ آخر حضور میں
ان کو لے گیا۔ تاج الملوک نے ایک ایک تھان بیش قیمت ہر ایک کو دے کر رخصت کیا اور فرمایا
اگر تم یہاں لکڑیاں لایا کرو تو اسنے ونا ہر روز پایا کرو۔ لکڑہاروں نے جب پہلے دن ایسا انعام پایا۔ تو
آئندہ امید بڑھی۔ اپنا وطن چھوڑ کر ہر ایک وہاں آ رہا۔ یہ خبر انکے ہمسایہ میں پہنچی۔ اور جا بجا منتشر ہوئے
غرضیکہ جو کوئی اِس شہر کے دیکھنے کو جاتا ہرگز وہاں سے پھر کر نہ آتا۔ اور وہیں رہنا اور کوتوال شہرستان
کا زرعیت کے بھاگنے کی خبر وزیر کے حضور میں کہنا۔ چنانچہ ایک دن اس نے خبر کر دی کہ آج کی رات
ہزار گھر اہلِ حرفہ کے خالی ہوئے اور بھاگ گئے وزیر نے کہا کچھ یہ بھی تو جانتا ہے کہ کہاں جاتے ہیں
تب وہ بولا کہ غلام نے سُنا ہے کسی نے درندوں کے جنگل میں دس کوس تک سونے کی زمین بنا کر
اس پر اس طرح کا شہر آباد کیا ہے اور ایک قصر باغ بھی جواہر کا ایسا بنایا ہے کہ رُوئے زمین پر ایسا
دوسرا نہیں جو دیکھتا ہے وہ یہ مطلع پڑھتا ہے شعر۔ اگر فردوس بر روئے زمین است۔ ہمین است
وہمین است وہمین است۔ اور اسکے دریائے سخاوت کی لہر دُور تک رہتی ہے۔ کہ نام حاتم طائی کا
انجوئے زمانہ سے لیجاوے اور پانی اسکے بحرِ عدالت کا امید نہیں کہ نقش عدل نوشیرواں کا لوح جہان سے
مثلئے وزیر نے اس بات کو باور نہ کیا جو کام یا بات کہ طاقت بشری سے باہر ہو انسان کی کیا مجال
کہ کر سکے۔ کوتوال نے مکرر عرض کی کہ متواتر خبر پہنچتی ہے جھوٹ کیونکر ہوگی۔ جو قادر کریم کہ عورت کو مرد بنا
سکتا ہے اور مرد کو عورت وہ اگر دولت دنیوی کو کہ بمنزلہ ایک عورت شکیلہ کے ہے کسی مرد کی مطیع
کر دے تو کیا تعجب ہے۔ شعر۔ نہ پوچھ چرخ ہوا ہے یہ کینہ پرور کیوں۔ بہانہ بے سببی بس ہے اسکے دینے کو
کیا آپنے اس شہزادہ کا قصہ جسنے ایک دیو سے مردی لیکر اپنی شادی کی تھی۔ نہیں سنی۔ وزیر نے کہا

کیونکر ہے **حکایت** کوتوال نے عرض کی کہ اگلے وقت میں ایک بادشاہ تھا کہ اسکے محلسرائے خاص میں
سو رنڈیاں صاحب جمال ہمثیال تھیں۔ پر کسی کے اولاد نہیں ہوتی تھی جب اتفاق خدا کی قدرت کاملہ سے
ایک حسین اور نوجوان کو ان میں سے حمل رہا۔ نو مہینے بعد اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔ اسی طرح تین بار لڑکا
پیدا نہ ہوا۔ جب چوتھی بار حمل رہا تو بادشاہ نے قسم کھائی کہ اگر اس مرتبہ بھی لڑکی جنی تو اس کی ماں
سمیت جان سے مار ڈالوں گا۔ تقدیر کی نیرنگی سے اس بار بھی لڑکی پیدا ہوئی۔ لیکن نہایت خوبصورت
پری طلعت۔ اسکی ماں نے جان کے خوف سے لڑکا مشہور کیا۔ اور خفیہ طور پر نجومیوں کو بھی تاکید کی
کہ خبردار بادشاہ کو سمجھا دو کہ عرصہ دس برس تک اس لڑکے کا منہ نہ دیکھنا۔ آپکے واسطے ......
...... اچھا نہیں ہے چنانچہ منجموں نے بادشاہ کی خدمت میں اسی طرح عرض کی۔ حضرت نے بھی مانا
اور ویسا ہی کیا۔ القصہ جب لڑکی ہشیار ہوئی۔ اس کے دیدار کی مناہی کے تھوڑے دن رہے تب اس کو
بیٹا کہلوانے کی وجہ سمجھا دی۔ اور کہا کہ اے بیٹی تو بادشاہ کے حضور میں مردانہ وضع سے آیا جایا کیجیو۔ کہ
اس بات میں میری اور تیری زندگی ہے۔ اور دونوں کی جان بچے۔ چنانچہ لڑکی ایام معہود کے بعد بادشاہ
کی خدمت میں کبھی کبھی آتی جاتی اور مجرا کر کے جلدی سے چلی جاتی اور دیر تک نہ رہتی۔ اس دختر پسر نما
کی آخر دوسرے بادشاہ کی بیٹی سے شادی قرار پائی۔ جب شادی کے دن نزدیک آئے بادشاہ نے اس
کو لباس شاہانہ پہنایا اور سونے کے ہودے میں بٹھا کر تجمل بادشاہی سے دلہن کے ملک کو روانہ کیا۔ لڑکی
کبھی اس حالت پر ہنستی تھی اور کبھی روتی تھی۔ ایک رات کسی ویرانے میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ لڑکی مارے
شرم کے آخر کار زندگی وبال جان سمجھ کر چپکی اٹھکر اس بیابان میں چلی گئی۔ اس ارادہ سے کہ کوئی درندہ
کھا جائے جاتے جاتے ایک درخت کے تلے کہ وہ کسی دیو کے رہنے کا مقام تھا پہنچی۔ اسکے حسن پر دیو
دیوانہ ہو گیا۔ اور آدمی کی صورت بنکر لڑکی کے آگے آکر اس کا حال پوچھنے لگا۔ اس لڑکی نے ساری حقیقت
بیان کی۔ یہ سنکر دیو کا دل بھر آیا اور اس سے کہا کہ اگر تو امانت میں خیانت نہ کرے اور اس پر قول دے
تو اپنی آلت کو کسی حکمت سے تیرے لگا دوں اور تیری علامت آپ اختیار کروں۔ وہ لڑکی دیو کے
کہنے کے موافق عمل میں لائی۔ اور اس نے وعدہ کیا۔ پس وہ لڑکی خرم و خنداں اپنے ڈیرے پر
گئی۔ اور کئی روز کے بعد بارات اپنی منزل مقصود کو پہنچی اور شادی سے فراغت پاکر بادشاہ اپنے
ملک کو پھر آیا۔ نقلی شہزادہ کچھ مدت وہیں رہا جب اس کا ایک لڑکا پیدا ہوا تب اسنے اپنے وطن کا قصد
کیا اور منزلیں طے کر کے اسی جنگل میں جا پہنچا اور اسی درخت کے نیچے گیا کیا دیکھتا ہے کہ وہی بوڑھیا
کے بھیس میں رونی شکل بنائے بیٹھا ہے شہزادے نے کہا اے دیو میں نے تیری مہربانی سے اپنے

دل کی مراد پائی۔ اب اپنی چیز لے اور میری مجھے دے دلیہ نے کہا اب میں اس کام سے گذرا گیا میری تقدیر
میں یہی لکھا تھا۔ تب اسنے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے مفصل بتاؤ۔ دیو بولا کہ میں اسی صورت سے تیرا
منتظر یہاں بیٹھا تھا۔ کہ ناگاہ ایک دیو پہاڑ سا سامنے آیا۔ اسکے دیکھنے سے شہوت مجھ پہ غالب ہوئی اور میں
مارے شہوت کے نہ رہ سکا اور اس نے بھی دوڑ کر مجھے سینے سے لگا لیا اور آخر کار شربت وصل کا پلایا
اگر میں علامت مردی لگالوں۔ تو جننے کے وقت اپنی جان سے ہاتھ اٹھاؤں۔ اسکے سوا یہ عقدہ مجھ پر کھلا کہ
مردوں سے رنڈیاں زیادہ شہوت میں ہیں۔ اب جا اپنی راہ لے میں نے اپنی چیز تجھ کو بخشی۔ وزیر نے۔ کہا
خدا کی قدرت مہو در حق ہے۔ مجھے کچھ اس میں شک نہیں بعض چیزوں سے آدمی میں موجود ہونا۔ عقل میں
نہیں آتا۔ کوئی دانا اس کو نہیں مانتا۔ شاید تو نے چڑے اور فقیر کی کہانی نہیں سنی۔ کوتوال نے عرض کیا
فرمائیے **حکایت**۔ وزیر نے کہا حضرت سلیمان کے عہد میں چڑیا کا ایک جوڑہ ایک روز راہ میں بیٹھا دانہ
کھاتا تھا۔ ایک فقیر سیاہ پوش کو دور سے آتے دیکھا۔ مادہ نے نر سے کہا۔ کہ خبردار دشمن آتا ہے۔ ایسا
نہ ہو کہ پنجہ بلا میں گرفتار کرے۔ نر نے کہا کہ یہ شخص خدا کا دوست ہے۔ کچھ اندیشہ نہیں ہے جو مرد خدا
کی راہ میں چلتا ہے وہ بندۂ خدا کو ایذا نہیں دیتا۔ انہیں باتوں میں تھے کہ فقیر آپہنچا اور اپنی بغل سے ایک
سونٹا نکال کر ایسا پھینک مارا کہ نر کا ایک بازو ٹوٹ گیا بہر حال اس ظالم کے ہاتھ سے بھاگ کر گرتا پڑتا
حضرت سلیمان کے پاس گیا۔ پہلے تو جا کر دعا دی پھر یہ عرض کی کہ فلانے درویش نے بے تقصیر میرا بازو
توڑ ڈالا۔ بادشاہ نے فرمایا اس کو حاضر کرو۔ چنانچہ حضور میں اس کو لے آئے۔ تب حضرت نے غضب
سے فرمایا۔ کہ تو نے اس کو کیوں مارا۔ اس نے عرض کی کہ اگر میں نے اس کو مارا تو کیا ظلم کیا۔ کیونکہ یہ
انسان کی خوراک ہے۔ یہ سنکر چڑا بولا کہ اگرچہ میں بیچارہ چھوٹا سا جانور ہوں۔ پر اسقدر مجھ کو شعور ہے
کہ اپنے دوست سے شیر و شکر کی طرح مل جاتا ہوں۔ اور دشمن سے کڑی کمان کے تیر کی طرح بھاگ
جاتا ہوں۔ تیری پیوندی گدڑی دیکھ کر میں نے دریافت کیا تھا کہ تو خدا کے راہ پہ ہے کسی بندۂ خدا کے حق
میں بدی نہ کرے گا۔ لیکن اب مجھ پہ کھلا کہ تیرا رہنما شیطان ہے اور گدڑی میں فقط مکر و دغا بھرا ہے
اب اس کو اتار رکھ۔ کہ کوئی اور میری طرح فریب نہ کھائے اور تیرے دام مکر میں نہ آجائے۔ چڑے کی
باتیں حضرت کو بہت پسند آئیں۔ اور فقیر کو لعنت ملامت کر کے نکال دیا۔ چند روز کے بعد وہی چڑا
کہیں چگتا تھا کہ کسی درویش نے کسی طرح اس کو پکڑ کر پنجرے میں بند کیا چڑے نے کہا کہ اب تو
جان پر آبنی۔ سوچ کر یوں کہنے لگا۔ اے مرد خدا میرے بیچنے سے تجھ کو چنداں نفع نہ ہوگا اور سیر کھانا
بھی علی ہذا القیاس سب بے فائدہ ہے پس چند سخن کہ ہر ایک دُر بے بہا ہے اگر تو مجھ کو چھوڑ دے تو کہوں

یہ سنکر فقیر خوش ہوا اور پنجرے سے نکال کر پاؤں پکڑ کر ہاتھ پر بٹھایا اور کہا لو کہو۔ چڑے نے کہا کہ عالم کہتا ہے
کہ خدا چاہے تو بہتر اونٹ کی قطار ایک سوئی کے ناکے کے اندر سے نکلجائے یہ بات سچ ہے خدا کی قدرت
سے دور نہیں پر یہ آدمی کی سعی سے ہرگز اعتبار نہ کیا چاہیئے دوسرے یہ کہ جو کام اپنے اختیار میں نہ رہے
اسکے واسطے غم دل نہ ہونا چاہیئے اے درویش تو مجھ کو چھوڑ دے تو کہوں یہ سنکر آزاد مرد نے اسکو آزاد کیا
چڑا اڑکر درخت کی ڈالی پر جا بیٹھا اور بولا اے فقیر تو بڑا احمق ہے۔ کیا تیری عقل ماری گئی جو ایسے شکار
کو ہاتھ سے کھویا میرے پیٹ میں ایک لعل بے بہا ہے اگر تو مجھے مار کر کھاتا تو وہ بھی تیرے ہاتھ آتا
وہ درویش اس چڑے کی یہ بات سنکر ہاتھ ملنے لگا۔ اور یوں کہنے لگا اے چڑے میں اس نفع سے باز آیا
مگر تو اور باتیں تو کہو۔ چڑا بولا تیرا دل مانند چکنے گھڑے کے ہے میری باتیں اسپر اثر نہ کرینگی ناحق کہہ کر کیوں
ضائع کروں۔ مثل مشہور ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے اے نادان ابھی تو میں نے
تجھے کہا تھا کہ جو چیز اپنے قبضے سے نکلجائے اسکے واسطے نہ پچتائے اسی دم بھول گیا۔ اور یہ نہ سمجھا کہ
میں نے لعل کیونکر نگلا ہوگا۔ یہ کہہ کر چڑا تو اڑ گیا اور فقیر نے مایوس ہو کر اپنے گھر کا رستہ لیا۔ اسبات سے غرض یہ ہے
کہ بے تحقیقات بادشاہوں کی جناب میں کچھ معروض نہ کرے پس اسواسطے تجھے لازم ہے کہ خود جاکر
پہلے دیکھ آ اور پھر عرض کر ؛

داستان جانے میں زین الملوک کے لشکر اور ارکان دولت کیساتھ ضیافت کھانے کیلئے تاج الملوک کے مکان میں

آخر کوتوال نے وزیر سے رخصت لیکر ملک نگارین کی راہ لی جب تھوڑی دور کی راہ طے کر چکا ہراول پکار اٹھا
کہ اس جنگل میں آگ لگ رہی ہے اسکے شعلے آسمان تک پہنچ رہے ہیں۔ اتنے میں سواری کچھ اور آگے
بڑھی سونے کی زمین نظر آئی اور جڑاؤ عمارت دیکھی جب ظاہر ہوا کہ جسپر آتش کا گمان کیا جاتا تھا وہ عمارت ہی ہے
شعلے نہ تھے وہ اسکی چمک تھی اتنے میں جو کوتوال کے آنے کی خبر سنی فرمایا کہ حوضوں کو بھر و فوارے چڑھاؤ اور
لب سے یاقوت کے دالان میں بٹھاؤ۔ اہلکار حسب الحکم کوتوال کو حویلی لے گئے۔ وہ جسطرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا
تھا جگمگاہٹ سے جواہرات کی چکا چوند لگ جاتی تھی۔ بعد ایک ساعت کے تاج الملوک نے بھی تخت شوکت
کو زیب و زینت بخشی کوتوال اٹھکر آداب بجالایا اور دعا کے بعد عرض کرنے لگا کہ جب حضرت کے مکان
بنانے و ملک بسانے کی خبر شہرستان کے بادشاہ کی خدمت میں پہنچی تب اس خانہ زاد کو تحقیقات حال کیلئے

بھیجا ہے۔ گستاخی معاف اگر آپکے دل میں خواہش سلطنت کی اور ارادہ فساد کا ہو تو ادھر سے بھی کچھ ڈر نگ
نہیں والا طوق بندگی گلے میں ڈالکر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہو جائیے کیونکہ دو تلواریں ایک میان میں نہیں
رہتیں۔ اور نہ دو بادشاہ ایک ولائت میں۔ تاج الملوک یہ سنکر بولا کہ میں نے تو اس حیوانات کے جنگل میں
ایک عبادتگاہ بنائی ہے خدتعالیٰ کی بندگی میں مشغول رہتا ہوں تمنا بادشاہی کی مطلق نہیں بلکہ دعوے دولت
خواہی ہے کوتوال لے یہ کلمہ شائستہ ہو سُنا خوشی خوشی رخصت ہوا اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا وزیر سے مفصل کہا
وہ سنکر ایک لمحہ بھر تو بحر فکر میں ڈوبا رہا پھر بادشاہ کے حضور میں جاکر جو کیفیت سنی تھی عرض کی بعضوں نے تو سچ
جانا اور کتنوں نے سچ نہ جان کر نہ مانا۔ بکاؤلی کہ زین الملوک کی خدمت میں حاضر تھی یہ بات سنکر دل میں کہنے
لگی کہ الحمد للہ اتنی مدت کے بعد عقدۂ سربستہ کی صورت کشائیش اور شب ناامیدی کے بعد آسایش ہونے کی
شکل نظر آئی ہے طپش دل نے خبر یار کے آنے کی دی۔ خوش ہوا ہے چشم کہ یہ زمزمہ افواہ نہیں۔ بادشاہ بھی اس ماجرا کو
سنکر ایک ساعت کو گریبان فکر میں سر ڈالے رہا۔ اسکے بعد فرمایا کہ اگر یہی صورت ہے تو ایک نہ ایک دن زوال
سلطنت کا موجب ہو گا۔ تب وزیر نے آداب بجا لا کر عرض کی کہ عقلمندوں نے کہا ہے جس دشمن سے لڑائی

نہ کر سکے اس سے اور مدارکر کے مل جاوے بجبت خوشی سے برآمد جو ہو کام کی ۔ تو کبھے نہ تندی و گردن کشی ۔ اب تدبیر یہ ہے کہ قبلہ عالم اس سے اخلاص بڑھاویں اور رشتہ محبت اسکے گلے میں ڈالیں بادشاہ نے فرمایا کہ تیرے سوا اور کسی کو اس لائق نہیں دیکھتا ہوں تو ہی وہاں جا اور رابطہ اس سے بہم پہنچا ۔ لیکن وہ کام کیجو کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی میری شان نہ گھٹے در اخلاص پڑے ہے ۔ وزیر حسب تدبیر موجب حکم بڑے کر وفر سے روانہ ہوا جب تاج الملوک کو اسکے آنیکی خبر پہنچی ۔ ارشاد کیا کہ فرش و فروش کی تیاری نئے سرے سے کریں حوضوں کا گلاب بدلوائیں فوارے چھڑوائیں اور اسکو لعل بدخشاں کے دالان میں بٹھائیں جب وزیر آیا ۔ اہلکار اسی طرح عمل میں لائے شہزادہ آپ بھی وہاں رونق افروز ہوا اور ایک جڑاؤ کرسی پر بیٹھا وزیر نے اٹھ کر مجرا کیا اور دعائیں دیں پھر التماس کیا ۔ آگے سے ایک بادشاہی بندہ حضور میں حاضر ہوا تھا اور اس نے آپ کا پیام محبت انجام حضور معلےٰ میں پہنچایا ۔ اور حضور کے اوصاف پسندیدہ بھی بہت سے بیان کئے گئے ۔ بادشاہ کی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا ۔ بلکہ قبلہ عالم کو حضرت کی ملاقات کا مشتاق کیا ۔ اس سے کیا بہتر ہے کہ دو چشمے فیض و عطا کے اور دو دریا جود و سخا کے باہم ملیں ۔ تاج الملوک نے کہا جو پیام میری طرف سے لازم تھا حضرت جہاں پناہ کی طرف سے آیا ۔ بسر و چشم مجھے قبول ہے میری بھی آرزو یہی ہے پھر وزیر نے عرض کی انشاء اللہ بعد ایک ہفتہ کے حضرت عالم پناہ یہاں رونق بخش ہونگے ۔ پھر خاصہ طلب فرمایا ۔ بکاؤلی رنگ برنگ کا طعام لذیذ اور خوشگوار جواہر نگار باسنوں میں نکلوا کر چاندی سونے کے خوانوں میں لگا کر نعمت خانے میں لایا اور دسترخوان زر لبفت کا بچھوا کر کھانا چن دیا شہزادے نے وزیر کیساتھ نوش جان فرمایا اسکے بعد ارشاد کیا کہ وزیر کے ہمراہیوں کو بھی تقسیم کرو لیکن ظروف نقرئی و طلائی واپس نہ لئے جائیں ۔ جب لوگوں کو کھانے سے فراغت ہوئی تب وزیر رخصت ہو کر شہرستان کی طرف روانہ ہوا شتاب حضور والا میں پہنچا تمام ماجرا مفصل ظاہر کیا کہتے ہیں انہی دنوں میں تاج الملوک نے حمالہ کے سر کا ایک بال آگ پر رکھا ۔ وہ اسی دم ہزاروں دیووں سمیت وہاں آ پہنچی ۔ تب تاج الملوک اور محمودہ نے اٹھ کر سلام کیا ۔ اسنے دونوں کی بلائیں لیں اور چھاتی سے لگایا ۔ خیر و عافیت پوچھی ۔ شہزادہ نے کہا آپ کی سلامتی میں سب طرح کا چین و آرام میسر ہے کچھ غم نہیں اور کسی چیز کی کمی نہیں ۔ لیکن ضیافت بادشاہ عالی جاہ کی یہاں مقرر ہوئی ہے وہ یہاں تشریف لائیں گے ۔ میری خواہش یہ ہے کہ اس سرزمین سے ان کے شہر تک فرش بناتی اور مخمل سرخ اور سبزہ کا بچھوا دو ۔ کوس کوس بھر خیمے قاقم اور سنجاب کی طنابیں ۔ اور کلابتونی پردے دیبا اور اطلس کی چوبیں ۔ گنگا جمنی اور میخیں طلائی اور نقرئی ہوں ۔ استادہ کرا دو مگر اس افراط سے ہوں کہ بادشاہ کے ہر چھوٹے بڑے امیر کو جدا جدا آرامگاہ میسر ہو ۔ کہ محل ملیح رہے ۔ حمالہ نے

دیوؤں کو حکم دیا اور انہوں نے تمام رات میں ویسی ہی تیاری کر دی اور آپ اپنے ملک کی راہ لی۔ صبح کے وقت
شرقستان کے بادشاہ نے بموجب اقرار اپنے امیروں وزیروں کو حکم دیا کہ بھاری زرق برق پوشاک اور کئی ہزار
سواروں کا پرامعہ لباس گوناگوں اور ہتھیار بوقلموں سے آراستہ ہو کر داہنی طرف رہے اور ایسا ہی سجا سجایا بائیں
طرف اور غول سواروں کا مسلح اونچی بنا ہوا اور ہاتھیوں کا حلقہ۔ سنہری روپہری ہودے اور عماریوں سے پیچھے
ہر نوجوان بانکے کا چمکتا ہوا ہاتھ میں لے کر چست ہوا۔ ٹھاٹھ سواری کا درست ہوا القصہ اس ہیئت سے سواری
کا سامان درست ہوا۔ جہاں پناہ ایک جڑاؤ عماری میں سوار ہوئے اور بکاؤلی مردانہ لباس نہایت پُرتکلف
اور جواہر پہنکر کمر آرزو محکم باندھ کر خواصی میں آبیٹھی۔ چاروں طرف شہزادہ بھی خلعت شاہانہ زیب بدن کر کے زرق
برق سے اپنے اپنے ہاتھیوں پر سوار ہوئے۔ پھر سواری تاج الملوک کے ملک کو روانہ ہوئی۔ زین الملوک شہر
سے کوس بھر آگے گیا ہوگا۔ کہ ناگاہ زری کے خیمے کی چمک مانند شعاع آفتاب کی نظر آئی بولا کہ الٰہی یہ۔ وہی
مکان ہے جہاں نگاہ نہیں ٹھیرتی۔ اور آنکھ جھپکی جاتی ہے۔ تب وزیر نے عرض کیا۔ ایں گل دیگر شگفتہ۔ حضرت
رات کی رات میں کچھ کا کچھ رنگ بدل گیا ہے۔ یہاں فقط جنگل تھا۔ جھاڑ جھنکار کے سوا غلام نے کچھ نہیں دیکھا
دم مارنے کی جگہ نہیں۔ نادر کریم نے مخلوق کو ایک ایسی قدرت دی ہے کہ اسکی صنعت کا کنہ صاحبان خرد
کو دریافت نہیں ہو سکتی۔ انکی وادی میں حیرت بھٹکتی ہے۔ ملک نگارین بہت دور ہے۔ اس عجائب نگار
روزگار نے یہ تماشہ دکھایا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ بادشاہ اور وزیر انہی باتوں میں تھے کہ اس کے
ملازموں سے ایک شخص نے آکر عرض کی۔ کہ ہمارے آقا کا حکم یہ ہے کہ عالم پناہ کی سواری جس جگہ سے آگے
بڑھے وہاں کا اسباب وغیرہ عزیب وغربا لوٹ لیں۔ اور خود بدولت ہر ایک منزل میں جس خیمہ کو پسند کریں۔
اس میں استراحت فرمائیں۔ چنانچہ بادشاہ جس جگہ تشریف لائے۔ ضیافت کا سامان جو روئے زمین کے بادشاہوں
کو میسر نہ تھا، وہ چیز مہیا پائی۔ غرض جس قدر سواری آگے بڑھتی جاتی تھی۔ اسی قدر اسباب کی زیادتی نظر آتی
تھی۔ اور عجائبات سے حظ اٹھاتے تھے۔ تاج الملوک آپ بھی ایک منزل استقبال کے لئے آیا۔ اور
سارے لوازم آداب بجالایا۔ آخر بادشاہ کے ساتھ کمال خوشی و خرمی سے اپنے قصر مبارک میں داخل ہوا
حضرت کو زمرد کے مکان میں اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور مکانوں کو آراستہ کیا۔ جابجا نئے فرش بچھ گئے۔
گلاب کے حوضوں میں فوارے چھوٹنے لگے۔ بادشاہ راہ کے عجائبات سے متعجب ہو رہے تھے۔ عمارت
اور ساخت اور تیاری ملاحظہ فرماکر بے خودی میں آگئے شہزادہ کا کل حال و کمال دیکھ کر بکاؤلی بھی دیوانی
ہو گئی ہوش و حواس جاتے رہے سچ ہے ؎ جب کمان ابرو کوئی تیر کرشمہ چھوڑ دے۔ سارے دلوں کو جوڑ دے
عاشق کے دل کو توڑ دے ؛ ایک لمحہ کے بعد جو ہر طرف آنکھوں کو مل کر دیکھنے لگی۔ جس مکان

پر نظر پڑی۔ اس مکان کا نقشہ اور جواہر اپنے مکان سا دیکھا۔ متحیر ہو کر کہنے لگی۔ یہ کوئی بڑا ہی جادوگر ہے۔ کہ میری عمارت کو بجنسہٖ معلق یہاں اٹھا لایا ہے۔ اور اس جنگل کو عالم طلسم بنایا ہے۔ ایک پری جو اسکے ساتھ خدمت گاری میں آدمیوں کے بھیس میں تھی۔ اسے اشارہ کیا۔ کہ غور سے دیکھ۔ اور بخوبی دریافت کر کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے متامل ہو کر عرض کیا۔ کہ آپ کے مکان جہاں تھے وہیں ہیں۔ کچھ اندیشہ نہ کیجئے۔ یہ نئی عمارت ہے۔ اس شخص نے کام کیا ہے کہ ایسی نقل بنائی ہے۔ کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ آفرین اس کی چترائی اور دانائی پر۔ یہ سن کر بکاؤلی بہت خوش ہوئی۔ کہ چور میں نے پکڑا اور مال اپنا پایا۔ چاہتی تھی کہ اسی وقت افشائے راز کرے اور پردہ درمیان سے اٹھائے۔ لیکن حیا مانع ہوئی۔ جبراً و قہراً قدم صبر و توکل گاڑے رہی۔ القصہ دسترخوان بچھا اور طرح طرح کا کھانا سونے روپے کے باسنوں میں چُن دیا۔ اس کے مزے کی تعریف کیونکر لکھے کہ زبان قلم بند ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کا فوری خوان کی تعریف کاغذ میں نہیں سماتی حضرت اہل خدمت کے سلیقے اور اہلکاروں کے طریقے دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ فرزندوں اور مصاحبوں سمیت خوشی خوشی خاصہ نوش جاں فرمایا۔ اتنے میں ارباب نشاط حاضر ہوئے بصحبت راگ و رنگ کی دیر تک برپا رہی اشعار

مطربوں کی ہوئی بلند صدا۔ ماہ پیکر لگے دکھانے ادا۔ غنچہ گئے سراسر پھول۔ دف و نے کام میں ہوئے مشغول۔ القصہ اسکے بعد بادشاہ اور شاہزادہ تاج الملوک دونوں باہم اختلاط کرنے لگے۔ اور باتوں میں مشغول ہوئے۔ شہزادہ نے پوچھا کہ آپ کے کے فرزند ہیں حضرت نے چاروں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ ان کے سوا اور اب کوئی نہیں۔ ایک اور بھی تھا۔ اسکے دیدار نحس کی بدولت یہ بلائے ناگہانی مجھ پر نازل ہوئی تھی۔ انفعال الٰہی سے میں نے نجات پائی۔ اور وہ اسی حالت میں خدا جانے کہاں نکل گیا۔ تاج الملوک نے کہا کہ کس سبب سے اس نے درگاہ عالی کو چھوڑا۔ اس دردولت سے منہ موڑا۔ کوئی اس مجلس میں اس کو پہچانتا ہے یا نہیں۔ یہ سن کر زین الملوک نے اسکی پیدائش اور اپنی بینائی کا ماجرا اول سے آخر تک شاہزادہ پر ظاہر کیا۔ پھر ایک امیر کی طرف جو اس کا اتالیق تھا۔ اشارت کی۔ کہ اسکے سوا اور کوئی اسکی صورت سے واقف نہیں ہے۔ شہزادہ نے اسکی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھو تو اس مجلس میں کوئی اسکی شکل کے مشابہ ہے یا نہیں۔ اس جہاندیدہ نے شہزادہ کا نقشہ اور گفتگو کا طریقہ بغور ملاحظہ کر کے۔ عرض کی کہ اتنے آدمیوں میں سے کسی کو اس شہزادہ کی صورت و شکل کے موافق نہیں دیکھتا۔ مگر چہرہ مبارک میں اکثر علامتیں پائی جاتی ہیں۔ اور بول چال کی وضع بہت ملتی ہے اس کلام کو سن کر تاج الملوک اٹھ کر باپ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کی۔ کہ میں وہی ناخلف

ہوں۔ جو اتنی مدت نحوست ایام اور طالع ناکام کے باعث سرگرداں اور اس درگاہ سے محروم رہا۔ شکر ہے۔
کہ دیدار مبارک جس طرح سے جی چاہتا تھا۔ اسی طرح حاصل ہؤا اور قدمبوسی کی جس طرح آرزو تھی بر آئی۔
زین الملوک نے بکمال مارے خوشی کے شہزادہ تاج الملوک کو چھاتی سے لگالیا۔ اور اس کا سر اور آنکھیں چومیں
اور شکر الٰہی بجالایا۔ پھر بیٹے سے کہنے لگا۔ یہ حشمت و اقبال ایزد متعال نے اپنی رحمت سے تجھے بخشا
ہے۔ ہم کو پہلے ہی اس کا حال روز تولد تمہارے زائچہ سے معلوم ہؤا تھا۔ الحمد للہ کہ چہرۂ مقصود
کو آئینۂ ظہور میں حسب دلخواہ دیکھا۔ بارے آنکھوں میں روشنی دوچند ہوئی۔ یہ کہو کہ آج تک
کہاں تھے۔ اور سرو آزاد ہو یا کسی شمشاد قد سے پیوند کیا ہے۔ شہزادہ نے عرض کی کہ غلام کی دو
منکوحہ ہیں۔ اگر حکم ہو تو باریاب ہوں اور قدمبوسی حاصل کریں۔ حضرت نے فرمایا اس سے کیا بہتر۔ شہزادہ
محل میں جاکر دلبر بسوا اور محمودہ کو بادشاہ کی خدمت میں لایا۔ وہ دونوں پری پیکر اس مکان کے قریب
آکر ٹھٹک رہیں۔ تب زین الملوک نے کہا۔ یہاں کیوں نہیں آتیں۔ جو ان کے دیدار فرحت آثار سے
نرگس چشم کو منور کروں۔ اور سینہ کو سرور سے بھروں۔ تاج الملوک نے التماس کی کہ آپ کی یہ لونڈیاں
حیا سے نہیں آتیں۔ کہ چاروں شہزادے ان کی بند آزاد ہیں چنانچہ ان کی مہر سے ان کے چوتڑوں پہ
داغ ہیں۔ فراج اچھا ہے۔ تو حضرت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس راز کے کھلنے سے چاروں کے منہ پر
ہوائیاں اڑنے لگیں۔ شرمسار ہو کر وہاں سے اٹھ گئے۔ تب وہ دونوں آکر قدمبوس ہوئیں۔ پھر بادشاہ
زین الملوک نے تمام سرگذشت ایام جدائی کی اور حال دلبر اور محمودہ جان کا استفسار کیا۔ تب
شہزادہ نے بھی تمام شدائد سفر اور محنت بیابان کی اور احوال بھائیوں کے داغ کھانے کا دلبر کے
ہاتھ سے اور مروت حالہ کی اور بیان محمودہ اور لینا گل بکاؤلی کا گلاب کے حوض میں سے اور بکاؤلی
کے دیکھنے کی کیفیت اور خواب کی حالت اور گل مذکور کا چھین لینا بھائیوں کا۔ اور بنانا باغ اور حویلی
کا بیابان میں مفصل کہا۔ اتنے میں بادشاہ کو تاج الملوک کی ماں یاد آگئی۔ بولے کہ تو نے میری آنکھوں کو
گل بکاؤلی سے روشن کیا اور اپنے دیدار سے دروازہ سرور کا دل غمناک کے آگے کھول دیا۔ اب
مجھ کو بھی لازم ہے کہ اس درد و انتظار کی ماری تمہاری ماں کو بھی مژدۂ جاں بخش سناؤں اور اس مبتلائے
رنج و فراق تشنۂ دیدار کو تمہارے آنے کی خوشخبری کا شربت پلاؤں۔ یہ کہہ کر بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے اور
قلعہ میں تشریف لاکر تاج الملوک کی ماں کے پاس آگئے۔ اور ایام گذشتہ کی بدسلوکی کا بہت سا عذر کیا۔
آگے سے زیادہ سرفراز فرمایا۔ اور بیٹے کے آنے کا مژدہ سنایا۔ اے عزیز تیری عزت بادشاہ کے دربار
میں تیری خدمت کے موافق ہوگی۔ چاہیے کہ شہزادے کی مانند کار شائستہ کرے۔ تو تیری محنت

شاہ کے دل میں موثر ہوا در پیغام اپنی ملاقات کا تجھے بھیجے اور بے باکانہ آپ ہی تیرے پاس چلا آوے اور بے اختیار تیرا سر اپنی چھاتی سے لگاوے۔ اگرچہ پہلے دیدار کے لائق نہ ہو۔ لیکن اخر کار اسی مقام میں آپ کو پہنچاوے کہ وہاں تیرا کوئی شریک نہ ہو سکے۔ پھر ایسا کام نہ کیجو۔ کہ شاہزادوں کی مانند داغ ندامت اٹھائے اور رسوا ہو ؛

بارہویں داستان بکاؤلی کے رخصت ہونیکی زین الملوک سے اور نامہ لکھنا تاج الملوک کو

زین الملوک جب اپنی دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ بکاؤلی اس سے رخصت ہو کر اپنے باغ میں آئی اور اشتیاق نامہ تاج الملوک کیلئے لکھا پھر اسکو تاج الملوک کی انگوٹھی سمیت سمن پری کو کہ خفیہ اسکے ساتھ گئی تھی حوالہ کیا اور کہا جلد جا جس وقت شہزادہ کاروبار دنیا سے فارغ ہو اور تنہا پاوے۔ ان دونوں کو اسکے ہاتھ میں دیجو۔ وہ پری سے کر اڑی۔ ایک دم میں تاج الملوک کے محل میں آپہنچی۔ اور کسی طرف گھات میں لگ رہی۔ تاج الملوک بکاؤلی کے دھیان میں اکیلے مکان میں آ بیٹھا۔ یہ اسکے روبرو جا کر آداب بجالائی اور وہ امانت حوالہ کی۔ شہزادہ نے انگوٹھی پہچانی اور خط کھول کر پڑھا۔ مضمون یہ تھا۔ نامۂ بکاؤلی سخن ابتدا کہ بنام خدا۔ کہ ہے وہ مبرا ز چون و چرا۔ ستاروں سے روشن کیا آسمان۔ کئے جن و انساں زمین پر عیاں۔ جمال کرشمے پری کو دیئے۔ جلایا دل آدمی عشق سے۔ پری پر دیا ہے جو اسکو شرف۔ کیا تیری الفت کا اسکو ہدف۔ ذرا اپنے پرتو کو لیلےٰ پہ ڈال۔ ہوا قیس خود بن کے محو جمال عیاں حسن کو بنکے شیریں کیا۔ وہ ہی بن کے فرہاد شیریں ہوا۔ ہے مہر اسکے جلوہ کی اول ضیا۔ اسی سے ہے مہتاب روشن سدا۔ چراغ محبت کو روشن کیا۔ شعور اسپہ پروانہ ہو کے جلا۔ ہے اس سے ہی میرا پیام و سلام تجھے اے شہ خوبرو نیکنام۔ تیری چشم دلبر و نے اے شوخ و تنگ۔ لگائے میرے دل پہ لاکھوں خدنگ۔ اور اس زلف پرخم نے اے گلعذار۔ کیا مثل قمری مجھے طوقدار۔ کیا ہے دل و جان کو خون عشق نے۔ جلایا درون و برون عشق نے۔ مگر یہ سخن ہے غلط مشتہر۔ کہ اک دل کو ہے دوسرے کی خبر۔ میں جلتی ہوں تجھ کو خبر کچھ نہیں۔ میرے سوز دل کی اثر کچھ نہیں۔ تیرے ہجر میں غمکدہ ہے یہ گھر۔ اگر تو نہ ہو خلد بھی ہے سقر۔ ذرا شربت وصل مجھ کو پلا۔ لبوں پہ میرا دل ہے اے دلربا۔ کیا دل تیرے غم نے ایسا فگار۔ ہوئے ایک ٹکڑے سے ٹکڑے ہزار۔ ہیں ناشستہ گوہر ہوں اے خوش لقب سے لماس کی مجھ کو تجھ سے طلب تو دریا ہے اور میں ہوں تشنہ جگر۔ بجھا پیاس میری کو جلد آنکر۔ تیرے غم میں جاں گلکے جاویگی۔ کوئی روز میں لب پہ آ جاویگی۔ دئیے ہیں جو انگوٹھی اور دو جڑا۔ تو موتی تیری لعل وزنگی بہا۔ جواب اس کا پھر تو دیگا تو کیا مجھے۔ جو پوچھیگی کا بیکو اپنا

نہ بول آگے بس اے زبانِ قلم۔ دکھانے کو دل کے نہیں کچھ یہ کم۔ غرض تاج الملوک نے مضمون نامہ کا کہ ہر لفظ اس کا بھرا شوق اور ہر حرف ذوق سے تھا۔ دریافت کیا عشق کی آگ سینہ میں دبی ہوئی تھی۔ بھڑکی سیماب کی مانند تڑپنے لگا۔ آخر دل کو تھاما۔ ناچار صبر کیا۔ پھر قلمِ فراق رقم کو ہاتھ میں لے کر ایک بند کاغذ اٹھا کے بکاؤلی کے نامہ کا جواب یوں لکھا:۔

نامۂ تاج الملوک۔ اے عاشقوں کی جلانیوالی۔ ہے طرز جفا تیری نرالی۔ تو سیم تنوں کی صف شکن ہے تو عشق کی راہ میں راہزن ہے۔ ابرو تیری آنکھ پہ وہ خمدار۔ ہے مست کے پاس جیسے تلوار۔ جادو سے تیری نگاہ پنہاں۔ یا برق برائے خرمن جاں۔ غنچہ تیرے دہن سے تنگدل۔ آگے تیرے لب کے لعل خجل۔ روشن ہے تجلی سے چشم امید میں ذرہ صفت ہوں تو ہے خورشید۔ اے نازنین زہرہ جبیں۔ وائے رشک غزالِ بتانِ چین۔ تیرے اشتیاق نامہ کے مضامین آتشبازنے میری استخوان کو بہ رنگ شمع جلایا۔ دلِ ہجر کو داغوں سے معمور کیا۔ شور و فغاں سے حشر برپا ہوا۔ آہ کا چاروں طرف دھواں گھٹ گیا۔ اے شمع افروز جو داغ تیرے عشق کی سوزش سے میرے سینہ میں پڑے ہیں ہرگز نہ مٹینگے۔ بلکہ جب تک ماہ کے جگر میں کلفت ہے یہ بھی چمکا کرینگے۔ یہ جانو کہ تیرا التصور میری آنکھوں سے کسی وقت نہ جاتا ہے یا تیری یاد کسی دم میرا دل بہلاتی ہے۔ کوئی گھڑی نہیں کہ جس میں مجھ کو تیری یاد اور جستجو نہیں۔ اور تیرے ملنے کی آرزو نہیں۔ میں تو تیرا نام سنکر دیوانہ ہوا۔ کہ آنکھوں کی راہ سے چلا۔ جان کا خطرہ نہ کیا۔ دیووں سے کس کس طرح کی سازش کی اور ان کی گردن میں کمند الفت ڈالی۔ جب کہیں تیرے جمال جہاں آرا کو ذرا دیکھا۔ اور زخم پہ نمک چھڑکا۔ فی الجملہ میرے سینہ سوزاں کی وہ آگ ہے کہ جبکی ایک چنگاری تیرے دل پر جا پڑی اور برق اشتیاق کی تڑپ جو تیرے خرمن کی طرف دوڑ گئی۔ شعر ہے لیکن کی سوزش جو تیرے سینہ میں شرارا ایک ہے۔ لیکن دو آبگینے ہیں۔ میں کیا کہوں مجھ سے کیا ہو سکتا ہے۔ جذبہ تیرا ہی کام کلب بیت تا نہ ہو دلبر کی جانب سے کشش۔ عاشق بیچارہ کیا کر سکے بس۔ زیادہ اس راز سے قلم کو آشنا نہ کیا چاہیئے۔ چنانچہ بزرگ کہہ گئے۔ سہ قلم کب آشنا ہے رازِ مشتاقوں سے اور محرم۔ والسلام۔ پھر ایک خط کو لفافہ کر کے ایک چشم سرمہ سائے غمناک کو بجائے مہر کے اس پر رکھا۔ اور اس کے بعد سمن پری کے ہاتھ میں دے کر اور زبانی پیام باشتیاق تمام محبت سے دیئے۔ آخر وہ رخصت ہوئی۔ اور بکاؤلی کے پاس آ پہنچی۔ جوابنامہ کا حوالے کیا۔ اور زبانی بھی جو کچھ کہا تھا سُنا دیا +

تیرہویں داستان تاج الملوک کے بکاؤلی کے پاس جانے اور قید ہونے میں بکاؤلی کے

الغصہ جب بکاؤلی نے تاج الملوک کا اشتیاق اپنے سے دونا پایا۔ اور صبر و قرار طرفین کا بغیر وصال کے محال نظر آیا۔ سنرمہ سے کہا کہ حمالہ کو جلدی حاضر کرو۔ وہ دوڑی ایک پل میں جا پہنچی۔ حمالہ اسکو مضطرب دیکھ کر پوچھنے لگی۔ اے بہن ایسی گھبرائی ہوئی کیوں آئی۔ وہ بولی خیریت ہے۔ شہزادی نے تم کو یاد کیا ہے دیر نہ کرو۔ جلدی چلو۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بے وقت بلانے سے بید کی طرح کانپتی ہوئی آئی۔ کیا دیکھا کہ بکاؤلی نرگس چشم بیمار اشکبار ہے اور ہر مژہ اسکی فوارے کی خون ہے۔ ماتمزدوں کی صورت بنائے اس عشرت کدہ میں بیٹھی ہے آداب بجالا اور سر سے پاؤں تک بلائیں لے کر حمالہ کہنے لگی اے نازنین نشاط و اے گل گلشن انبساط تیرا غنچہ دل ایسا کیوں تنگ آیا۔ جو تو نے اپنا یہ رنگ بنایا کیوں شبنم کی طرح روتی ہے اور کسلیئے پھول سے مکھڑے کو گرم گرم آنسوؤں سے دھوتی ہے۔ تیری یہ بلا میرے جی کو لگے تو ہمیشہ خوش رہے خدا کیواسطے کچھ بات کر اپنے دل کے بھید کو مجھ پر کھول۔ یہ سنکر بکاؤلی نے کہا آ نبھ دلالہ۔ اتنی باتیں کیوں بناتی ہے جان بوجھ کر بھولی بنی جاتی ہے تیری ہی یہ آگ لگائی اور بلائی ہوئی ہے ان چتے بازیوں سے ہاتھ اٹھا اور اپنی لگائی ہوئی کو بجھا۔ یہ کرتوت تیرے ہی امداد کی ہے یا کسی اور کی اور اسکو تو نے ہی یہاں تک پہنچایا یا کوئی اور لایا۔ غرض میرے پردۂ ناموس میں رخنہ اندازی

کی اور ننگی گھڑی اس نے مجھے دیکھا۔ اگر اپنا بھلا چاہتی ہے تو جلد جا اور اسے مجھ تک پہنچا۔ حمالہ یہ بات سُنکر
ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تم نے اتنی سی بات کیلئے رو رو کر منہ سجایا ہے اور اپنا یہ حال بنایا ہے۔ تم اُٹھو
اور اپنا منہ ہاتھ دھوؤ ہنسو بولو۔ اسکا لانا کتنا کام ہے میں ابھی کان پکڑ کے لے آتی ہوں۔ اور ایک آن میں
تم سے ملاتی ہوں۔ آخرکار وہ شہرستان کی طرف دوڑ گئی۔ اور بات کی بات میں تاج الملوک کے پاس آ
پہنچی اور مسکرا کر کہنے لگی اُٹھ رے پروانے اور چل تجھے تیری شمع نے یاد کیا ہے۔ یہ سنتے ہی شہزادہ بیخود
اسکے پاؤں پر گر پڑا۔ حمالہ نے اسکا سر اٹھا چھاتی سے لگایا۔ پھر کاندھے پر بٹھا کر بکاؤلی کے ملک کا راستہ
لیا اس اثنا میں جمیلہ خاتون کے کانوں میں یہ بھنک پڑی۔ کہ تمہاری بیٹی بروگن سی بنی ہے شاید وہ آدمزاد
یا پریزاد پر دیوانی ہے۔ اس بات کی تحقیق کرنیکو وہ بکاؤلی کے پاس آئی اور آثار عشق اس میں دیکھ کر بہت خفا
ہوئی۔ اور اپنا منہ پیٹ کر بولی اے کنواری تھتکاری ناپید ہو یہ کس کے پیچھے جوگ سادھا ہے۔ پریوں کا
ننگ و ناموس تو نے کھویا ہے اور کل کا نام ڈبو دیا۔ اسنے یہ بات سنکر کانوں پر ہاتھ رکھا اور صاف مکر
گئی۔ قسمیں سخت سخت کھانے لگی۔ ماں کے پاؤں پر گر پڑی اور کہنے لگی۔ میں نے تو آجتک عشق کا نام نہیں
سُنا۔ اور آدمی کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ کسی نے طوطیہ جوڑا ہوگا۔ اور تہمت لگائی۔ اس کا نام بتاؤ
نہیں تو میں اپنا خون کروں گی۔ یہ حالت اس کی دیکھ کر ماں ہی تو تھی۔ پگھل گئی۔ مگر بظاہر میں دکھائی سے
بولی۔ چل چپ رہ اتنے چنال گھوٹے نہ کر تسوے نہ بہا۔ اتنے میں حمالہ اس مشتاق کو لے کر پہنچی۔ سمن رو
پری تو محرم راز تھی۔ اس نے اشارہ سے آگاہ کردیا۔ مسافر بھی آن پہنچا۔ شہزادی نے بھی اشارہ سے کہا۔
کہ ایک مکان محفوظ میں چھپا رکھو۔ غرض پہر رات گئے تک تو بکاؤلی چار و ناچار ماں کے پاس بیٹھی رہی
جب وہ پلنگ پر جا کر سو گئی۔ بکاؤلی نے دیکھا کہ غافل ہو گئی ہے۔ وہاں سے اٹھ بیٹھی اور دبے پاؤں چلی لیکن
دل خوف سے دھڑکتا اور شوق سے بھرا تھا۔ قصہ مختصر اسی صورت سے شہزادہ کے پاس پہنچی اس کی نگاہ
جونہی اس سراپا ناز پر پڑی ہوش جاتے رہے۔ غش کھا کر گر پڑا۔ جب تو یہ گھبرا کر دوڑی اور اس کا سر اٹھا کر
اپنے زانو پر رکھا اور منہ سے منہ اور گال سے گال رگڑنے لگی۔ اس غنچہ دہن کی بو کہ گلاب سے بہتر تھی
سونگھتے ہی شہزادہ کے دماغ میں قوت آئی۔ ہوش میں آیا۔ آنکھیں کھولدیں۔ اپنے سر کو اس زہرہ جبین
کے زانو پر دیکھا۔ اور کوکب بخت کو اوج پر پایا۔ خوش و خرم اٹھ بیٹھا۔ پھر تو طرفین سے پیار کی پڑنے لگیں
یہاں تک کہ ٹکٹکی بندھ گئی۔ شراب شوق کا پیالہ چلنے لگا۔ نشہ اشتیاق دونوں کو چڑھا۔ پردہ حجاب بیچ
سے اٹھ گیا۔ چالاکی اور بیباکی نے بازار گرم کیا۔ شرم و حیا نے کنارہ کیا۔ جام وصل پیا۔ باہم دونوں نے
آتش فراق کو ٹھنڈا کیا۔ مثنوی ہزار افسوس پہ یہ چرخ پُر زور۔ کریگا مشتری سے ماہ کو دُور۔ جہاں دو

شخص بیٹھے مل کے بیچا۔ وہیں سنگ جدائی ان پہ پھینکا۔ جو دی آگ دل نے نور آشنائی۔ تو بخشے اس کو سوداغ جدائی۔ غلط ہے یہ کہاں اسمیں وفا ہے۔ کماں میں اسکی بس تیر جفا ہے۔ اتفاقاً جمیلہ خاتون آدہی رات کے وقت چونک پڑی۔ چاندنی کی بہار سے بھی اس وقت نور باغ بن رہا تھا۔ بے دھڑک اٹھ کھڑی ہوئی اور سیر کرنے لگی۔ ناگاہ اس جگہ جہاں وہ دونوں خوابیدہ بخت سوتے تھے جا نکلی۔ اس حالت کو دیکھتے ہی آتش غضب کا شعلہ بھڑکا نہ روکا گیا۔ تاج الملوک کو مانند سنگ فلاخن کی صحرائے طلسم میں پھینکا۔ اور بکاؤلی کے گل رخسار کو طمانچوں سے گل ارغوانی بنا دیا۔ اسکے بعد گلستان ارم میں کہ جہاں اسکے باپ کا تخت گاہ تھا لپیٹ ساتھ لے گئی۔ اور جو حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ فیروز شاہ سے کہا۔ اس نے کتنی پریاں خوش زبان اور چرب زبان اس شمع رو کی مصاحبت میں مقرر کیں کہ ہر وقت اس کو نصیحت کیا کریں اور انسان کا نقش لعنت اس کی لوح دل سے دھویا کریں۔ چنانچہ وہ اس کام میں رات دن مشغول رہتی تھیں۔ لیکن بکاؤلی کی دبی ہوئی آگ عشق کی ان کی باتوں سے سلگ اٹھتی تھی۔ شعلہ اشتیاق دونا بھڑک جاتا تھا۔ دن تو ہر کسی کے ساتھ بیٹھ کر کاٹتی تھی۔ اور رات بھر یار کے خیال میں جاگتی تھی۔ اور یہ غزل اپنے حسب حال پڑہتی تھی۔

غزل ٭ کوئی بھی نہ ہو میری طرح سے مبتلائے فراق۔ تمام عمر نہ سر سے گئی بلائے فراق۔ غریب و عاشق و بیدل فقیر و سرگرداں۔ خطاب دنیا ہے کیا مجھ کو بادشاہ فراق۔ کہاں فراق کہاں میں کہاں وہ رنج و تعب۔ فلک کے ہاتھ سے اب ٹوٹ جائے پائے فراق۔ میں داد پاؤں کہاں جاؤں اور کہوں کس سے۔ فراق کو بھی کوئی ہے جو دے سزائے فراق ٭ بقول حافظ شیراز آپ رہی سے۔ بہ بانگ مرغ سحر آتی ہے صدائے فراق ٭ جب پریوں نے اسکے بدن میں سودا کو بڑھتے پایا۔ تو جانا کہ اس کے بدن میں عشق نے گھر بنایا۔ ناچار ہو کر فیروز شاہ سے عرض کی۔ کہ ہم نے اپنا بہتیرا مغز کھپایا۔ مگر فائدہ کچھ نہ پایا۔ وہ کسی طرح نہیں سمجھتی۔ پتھر کو جونک نہیں لگتی۔ خبر شرط تھی سو کر دی۔ آگے جو ارشاد ہو۔ فیروز شاہ نے اس ماجرے کو سنکر جانا کہ بیٹی ہاتھ سے جا چکی نصیحت مطلق نہیں سنتی۔ بکاؤلی کو طلسمات میں قید کیا۔ اور اس سیم تن کے پاؤں میں سونے کی زنجیر کو بھر دیا ٭

چودہویں داستان تاج الملوک کے دریائے محیط میں پڑنے کی اور سلامت پہنچنے کی وہاں سے بیابان میں اور تبدیل ہو جانے میں صورت اصلی کے

کہتے ہیں کہ جب جمیلہ خاتون نے شہزادہ کو پرے پھینکا۔ ایک دریائے عظیم میں جا پڑا۔ اور اسکے
تلاطم سے تہ و بالا ہونے لگا۔ کبھی موتی کی مانند نیچے جاتا کبھی حباب دریا کی طرح پانی پر آتا تھا۔ چند روز کے
بعد کنارے پہنچا۔ سچ ہے کہ عاشقوں کی جان عزیز تک اجل کا ہاتھ ایک بیک نہیں پہنچتا۔ اور موت
کا پنجہ ان کے مرغ روح کی گردن نہیں مروڑ سکتا۔ کوئی رمق جان باقی رہی تھی۔ تری سے خشکی میں
آیا۔ آفتاب کی گرمی سے ہاتھ پاؤں کھلے۔ حرکت کے قابل ہوئے۔ اور بدن میں زور پیدا ہؤا۔
اٹھ کر ذرا آگے بڑھا۔ سامنے ایک جزیرہ نظر آیا۔ اس میں جا کر وارد ہؤا۔ اکثر اقسام کے میوہ دار درخت
اس میں تھے۔ ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ اتنے میں ایسا باغ نظر آیا۔ کہ اس کے درختوں کے پھل
آدمیوں کے گلے کی مانند تھے۔ ان سے دوچار ہؤا۔ وہ سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ پھر سب
زمین پر گر پڑے۔ ایک ساعت کے بعد اور لگے ان شاخوں میں پیدا ہوئے۔ شہزادہ یہ تماشہ خدا کی
قدرت کا دیکھ کر نہایت حیران ہؤا۔ بلکہ ذرا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ ایک باغ انار کا ملا۔ اسمیں
ہر ایک انار گھڑے کے برابر تھا۔ تاج الملوک نے ایک انار جو توڑا اس میں چھوٹے چھوٹے پرند
نکل آئے۔ پھر سب چڑیوں کی طرح اُڑ گئے۔ شاہزادہ یہ صنعت خالق دیکھ کر اور بھی دنگ ہؤا۔ علے
ہذالقیاس ایسے ہی عجائب و غرائب چند روز تک دیکھے۔ غرضکہ جس سرزمین میں جا پہنچتا۔ ایک نیا
ہی تماشہ نظر آتا۔ کسی طرح وہاں سے رہائی نہ پاتا تھا۔ ایک دن نہایت تنگ ہو کر ہر طرف سے
لکڑیاں جمع کیں۔ پشتارا باندھا۔ پھر خدا کا نام لے کر دریا میں ڈال دیا۔ اور اس پر جا بیٹھا۔ کئی روز
کے بعد وہ ایک کنارا پر جا لگا۔ یہ اتر کر آگے چلا۔ ایک بیابان ہولناک میں جا کر وارد ہؤا۔ شام کے
وقت درندوں کے ڈر سے درخت پر جا بیٹھا۔ پھر رات گئی۔ ایک تنہائی کی آواز جنگل میں دکن کی
طرف سے اس کے کان میں پہنچی۔ ہر چند شہزادے نے دائیں بائیں دیکھا۔ لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ آخرش
ایک اژدہا پہاڑ سا نظر آیا۔ اور اسی درخت کے نیچے کہ جس پر شہزادہ چڑھا ہؤا تھا آیا۔
ایسی صورت دیکھنے سے شہزادہ کے حواس اڑ گئے۔ درخت کی ڈالی سے لپٹ کر دم بخود
ہو گیا۔ ایک ساعت کے بعد اژدہے نے ایک کالا سانپ منہ سے نکالا اور ایک من اس نے
آفتاب سا چمکتا ہؤا اگل کر درخت کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی روشنی سے چار کوس کے فاصلہ تک
جتنے جنگل اور پہاڑ تھے۔ سب روشن ہو گئے۔ اور وحوش و طیور اس کے آگے آ کر ناچنے لگے۔ آخر
بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور ان کو دم کی کشش سے کھینچ کر نگلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ
بھر گیا۔ پھر سانپ اس من کو نگل گیا۔ اور وہ سانپ جس طرف سے آیا تھا۔ اسی طرف کو چلا گیا۔ شہزادہ

کے جی میں کیا آئی ۔ کہ ایسی تدبیر کیجیئے ۔ جو یہ من ہاتھ لگے ۔ عقل دوڑانے لگا ۔ آخر سوچتے سوچتے
صبح ہو گئی پھر دریا کی طرف گیا ۔ اور ایک لوندا کیچڑ کا اٹھا لایا ۔ اور شام کے وقت درخت
پر چڑھ کر اسی طرح بیٹھ گیا ۔ اژدہا بھی اپنے وقت معین پر آ پہنچا ۔ اور بدستور سابق سانپ کو
منہ سے نکالا ۔ اور اس نے من کو نکالا ۔ شاہزادہ گھات میں بیٹھا تھا ۔ اس حکمت سے اس
گل حکمت کا لوندا من پر ڈالا کہ گل حکمت کر دیا ۔ تمام اندھیرا ہو گیا ۔ ہاتھ سو جھنے سے رہ گیا ۔ اژدہا
اور سانپ سر ٹپک ٹپک کر رہ گئے ۔ شاہزادہ نور کے تڑکے درخت سے اترا ۔ اور وہ مہرۂ نورانی
کیچڑ سے نکال کر اپنی کمر میں باندھا ۔ اور آبادی کے توقع پر آگے چلا ۔ تمام دن دشت پیمائی اور
صحرا نوردی میں کاٹتا تھا جب رات ہوتی تھی ۔ کسی درخت پر بیٹھا تھا ۔ اس پر ایک بولتی ہوئی مینا کا
آشیانہ تھا ۔ وہ اپنے بچوں کو اکثر کہانیاں نقلیں سنایا کرتی تھی ۔ اور ہر ایک فن کی گھاتیں بتایا کرتی
تھی ۔ اس لئے کہ کان پڑی بات ایک نہ ایک دن کام آ رہتی ہے ۔ غرض اس رات بچوں نے مینا
سے کہا ۔ اے اماجان کوئی بات اس بیابان کی کہو ۔ مینا بولی کہ اس جنگل میں گنج بے شمار جا بجا گڑا
ہے ۔ اور اس کے علاوہ یہاں سے دکھن کی طرف ایک حوض پر ایک بڑا درخت ہے ۔ اسے
سراج القطب کہتے ہیں ۔ اگر کوئی اس کے پوست کی ٹوپی بنا کر پہنے ۔ تو وہ کسی کو نظر نہ آوے اور وہ
سب کو دیکھے ۔ لیکن اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔ کیونکہ اس کا ایک بڑا سانپ نگہبان ہے اس پر
تلوار اور تیر کچھ کارگر نہیں ہوتا ۔ بچوں نے مینا سے پوچھا ۔ کہ پھر کس طرح وہاں کوئی پہنچے ۔ تب مینا نے
کہا کہ ایسا کوئی جوانمرد ہو کہ گھبرا نہ جاوے اور ہمت باندھے ہوئے اس حوض کے کنارے پہنچے
اور وہ سانپ لپک کر جب اس پر آوے وہ حوض میں کود پڑے ۔ فوراً اس کی صورت کوے کی ہو جاوے
گی ۔ اس کا کچھ اندیشہ نہ کرے ۔ اور اڑ کر اس درخت کی بیچ کی ڈالی پر جا بیٹھے ۔ اس میں سے کتنے
لال اور سبز پھول توڑ کر کھاوے ۔ تو پھر اپنی اصلی صورت پر آوے ۔ اور سبز پھل کی تاثیر یہ ہے ۔
کہ اس کو سر پر رکھے تو کوئی حربہ بدن پر اثر نہ کرے ۔ اگر کمر میں باندھے تو ہوا پر اڑتا پھرے ۔ اور
پتوں کا خواص یہ ہے کہ اگر انہیں زخم پر رکھے تو فوراً بھر آوے ۔ اگر اس کی لکڑی ہزار من لوہے
کے قفل کو چھوا دے ۔ تو فوراً کھل جاوے ۔ تاج الملوک یہ بات سنکر حد سے زیادہ اس درخت
کا مشتاق ہوا ۔ صبح ہوتے ہی اسی پتے پر چلا ۔ بہر صورت اس حوض تک پہنچا ۔ سانپ بھی اسکو دیکھتے
ہی لپکا ۔ مگر شہزادہ مطلق نہ جھجکا ۔ حوض میں کود پڑا ۔ پھر کوا بن کر اسی درخت کی اس میوہ دار ڈالی پر
جا بیٹھا ۔ اور ایک لال پھول کھا کر اپنی اصلی صورت پر آ گیا ۔ پھر اسکے بعد کچھ سبز پھول توڑ کر

کمر میں باندھے ہے اور ایک لکڑی بھی لاٹھی کی مانند لی۔ پھر تھوڑی سی چھال کہ جس میں ٹوپی بنے اور کچھ پتے لے کر وہاں سے اڑا۔ اور چند روز کے جنگل سے باہر نکلا۔ آثار آبادی کے دکھلائی دیئے۔ وہاں سے ایک نوکدار لکڑی لے کر اپنی ران کو چیرا۔ اور کالے کا من اس میں رکھ کر وہی پتے زخم پر لگا دیئے۔ فوراً اچھے ہو گئے پھر وہاں سے آبادی کی راہ لی ❖

پندرہویں داستان پہنچنے میں تاج الملوک کے ایک حوض پر اور اس میں غوطہ مار کر تبدیل ہونا شکل کا

نقل ہے کہ تاج الملوک ایک سنگ مرمر کے حوض پر جس کے چاروں طرف رنگ برنگ کے پھول پھولے ہوئے تھے جا پہنچا۔ اور سہانی اور ٹھنڈی جگہ دیکھ کر شہزادہ سو گیا۔ ذرا دیر کے بعد جو آنکھ کھلی۔ تو پانی کی صفائی ملاحظہ فرمائی۔ ٹوپی اور عصا ایک درخت کے نیچے رکھ کر اس میں اترا۔ اور غوطہ مارا جونہی پانی سے باہر نکلا۔ اس حوض اور مکان کو نہ پایا۔ بلکہ ایک شہر کے متصل جا پہنچا ہے۔ اس کے سوا کیا دیکھتا ہے۔ کہ علامت مردی کی جاتی رہی۔ اور صورت بھی عورتوں کی سی ہو گئی۔ گل رخسار کے خط سبز سے سبزہ زار تھے۔ یاسمن کی طرح مصفا ہو گئے۔ اور صندل کی چھاتی پر آثار کچون کے نمودار ہوئے۔ تب تو تاج الملوک اس آفت ناگہانی سے بہت ہی گھبرایا۔ مجبوراً صبر کے سوا

اور کچھ تدبیر نہ سوجھی۔ ناچار شکیبائی اختیار کی۔ اور ایک محفوظ جگہ میں شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔
اتنے میں ایک جوان وہاں آیا۔ اس نے دیکھا۔ کہ ایک عورت نوجوان پاکیزہ رنگ نہائیت حسین
بیٹھی ہے۔ اگر حور کہئیے تو روا ہے۔ اور پری کہئیے تو بجا ہے۔ غرض دیکھتے ہی اس جوان کا دل
اس پر آگیا۔ پوچھا اے نازنین تجھ پر ایسی کیا آفت پڑی ہے۔ جو اس ویرانے میں آ کر بیٹھی ہے۔
اس نے کہا۔ کہ میرا باپ تاجر تھا۔ جہاں تجارت کے واسطے جاتا تھا۔ مجھ کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا
اس جنگل میں معہ قافلہ آ کر اترا۔ آدھی رات کو ڈاکہ پڑا۔ بہت مال لٹ گیا۔ وہ رفیقوں سمیت مارا گیا۔
ساتھ چھٹ گیا۔ قافلہ والے اپنی جان لے کر بھاگے۔ میں اس ویرانے میں بیکس رہ گئی۔ اب
یہاں نہ کہیں رہنے کا ٹھکانا ہے نہ بیٹھنے کا۔ نہ طاقت چلنے کی ہے۔ جوان نے کہا اے نازنین
اگر تو مجھے قبول کرے تو میں تجھے اپنے گھر لے چلوں اور صاحب خانہ بنا کر رکھوں۔ اس کی
آتش شہوت جوان کے دیکھنے سے شعلہ زن ہوئی۔ اس بات پر راضی ہو کے اس کے ساتھ گیا۔
جورو بننے کے سوائے اور کچھ بن نہ آیا۔ اس واردات سے کبھی ہنستا۔ اور کبھی رونا۔ ہر طرح سے
اپنے دن کاٹتا۔ اس اثنا میں اس سے حمل نمودار ہوا۔ نو مہینے کے بعد لڑکا جنا۔ چالیسویں روز ایک
حوض میں کہ اس کے گھر کے نزدیک تھا۔ جا کے ایک غوطہ مارا۔ جونہی سر اٹھایا تو دیکھا۔ نہ وہ
سرزمین ہے نہ وہ صورت ہے۔ خدا کی قدرت سے آپ کو ایک حبشی جوان کی شکل میں دیکھا۔ کہا
اگرچہ جمال اصلی تو نہیں ملا۔ مگر عورت سے پھر مرد ہوا۔ غرض اسی خیال میں تھا۔ کہ ناگاہ ایک حبشی کی
سی عورت وضع اوپر کا ساہونٹھ۔ اس کی ناک کی پھننگ سے لگا ہوا اور نیچے کا ٹھوڑی کے نیچے
پڑا۔ کان شانوں تک۔ چوچیاں رانوں تک۔ سر کھولے ہوئے زبان سے ہونٹ چاٹتی ہوئی سامنے
سے نمودار ہوئی۔ اور اس کی کمر پکڑ کر پکاری۔ کہ اے بے حمیت تین دن سے لڑکے بالے بھوک کے
پیاسے مرتے ہیں اور میں تیری تلاش میں سرگرداں پھر رہی ہوں۔ تو کہاں چھپ رہا تھا بھلا جو ہوا سو ہوا
اب تین دن کی لکڑیاں تو لا کہ ان کو بیچ کر لڑکوں بالوں کے لئے کھانے کو لاؤں۔ تاج الملوک نے
آسمان کی طرف دیکھ کر کہا خدایا۔ کب تک مجھ کو اس عذاب میں گرفتار رکھے گا۔ ابھی دیو کے ہاتھ سے
چھوٹ کر دم نہیں لیا۔ کہ پھر بلا کے پنجوں میں پھنسا۔ قصہ کوتاہ وہ ناپاک کشاں کشاں اپنے گھر
لے گئی۔ چاروں طرف سے لڑکوں نے گھیر لیا۔ کہ بابا ہمارے واسطے کیا لائے۔ شہزادہ چپکے
ایک ایک کا منہ دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس چڑیل نے ایک کلہاڑی تاج الملوک کے ہاتھ میں دی
کہ جا کر لکڑیاں کاٹ لا۔ شہزادہ اس فرصت کو غنیمت سمجھا۔ جنگل میں گیا۔ لیکن اس طلسمات عجیب

کی حالت میں حیران تھا۔ دل میں سوچا کہ دوبارہ حوض میں غوطہ مارنے سے صورت تبدیل ہو چکی ہے۔
تیسری دفعہ بھی امتحان کیجیئے۔ اور دیکھیئے۔ کہ اب کیسی شکل بنتی ہے۔ پھر ایک حوض میں جاکر غوطہ مارا۔
جب غوطہ مار کر حوض سے سر نکالا۔ بصورت اصلی پہلے حوض کے کنارے پر پایا۔ لاٹھی اور ٹوپی
کو بے تفاوت رکھے ہوئے پایا۔ سجدہ شکر درگاہ الہٰی میں بجالایا۔ اور اپنے دل میں ٹھیرایا۔ کہ
اب کبھی حوض میں غسل نہ کیجیے۔ بلکہ ہاتھ بھی نہ ڈالوں گا۔ پھر لاٹھی ہاتھ میں لی اور ٹوپی سر پر رکھ
کر روانہ ہُوا۔ اے یاران دہر۔ حق تعالےٰ نے بنی آدم کے سر پر کرامت کی ٹوپی پہنا کر۔ اور
عظمت کا عصا ہاتھ میں دے کر۔ طلسم گاہ دنیا میں کہ مزرعہ آخرت ہے۔ عاقبت کی تکمیل کے لئے
بھیجا ہے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ گل اور خار اور آب و شراب خوب پہچانے ہر ایک پھول کو نہ سونگھے
ہر ایک نہر سے گھڑا نہ بھرے۔ کہ یہاں کانٹے جنگل سے رنگین زیادہ ہیں۔ اور شراب بصورت آب
ادھر اُدھر ہے۔ اے عزیز! اگر گوہر دنیا کے لئے چشمۂ جہان میں غوطہ مارے گا۔ مقرر اس کا کلاہ
اور عصا کھو دے گا۔ یہ حکم اس بات پر ہے۔ کہ طالب دنیا مؤنث ہیں اور طالب مولا مرد ہیں۔ تیرا
پیکر جو مرد کامل ہے۔ بصورت نسوان ناقص العقل ہو جائے گا۔ پس اس وقت شکیبائی کے سوا چارہ
نہیں چاہیئے۔ کہ دم بخود ہو کر پھر دریائے وحدت میں غوطہ مارے۔ اس کے بعد جو سر اٹھائے گا۔
تو وہی عصا اور وہی ٹوپی سر اپنے پر دیکھے گا ؎

سولھویں داستان پہنچنے میں تاج الملوک کے دیو سیاہ بچہ کے مکان میں اور ملنے میں بکاؤلی کے اپنی چچازاد بہن رُوح افزا سے

نقاش ازل اس حکایت کی تصویر صفحہ بیان پر یوں کھینچتا ہے۔ کہ جب تاج الملوک نے یہ صدمہ
اٹھایا۔ پھر زمین پر پاؤں رکھنا چھوڑ دیا۔ شہباز بنا ہوا پھر جاتا تھا۔ ایک روز ایسے پہاڑ پر گذرا۔ کہ کوہ قاف
بھی اس کے آگے پشہ سا نظر آتا تھا۔ اس پر پتھر کی ایک حویلی دیکھی۔ شاہزادہ تفتیش حال کے لئے
اس میں گیا۔ ہر چند پھرا لیکن ذی حیات کا نشان وہاں نہ دیکھا۔ ہر ایک مکان کو ڈھونڈنے لگا۔
ناگاہ ایک آواز دردناک شہزادے کے کان میں آئی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچا۔ جا کر دیکھا
کہ ایک عورت حسین خوب کہ جس کی صفائی پر نظر پھسلی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے دیکھنے سے ہاتھ

پاؤں میں سنسناہٹ سی چلی آتی تھی۔ پلنگ پر ہچکیاں لے لے کر روتی ہے۔ شہزادہ نے سر سے
ٹوپی اتار کر پوچھا۔ اے آرام جان! اس جوانی کے عالم میں تیری جدائی تیرے عاشق بے دل کے
دل پر ستم ہے۔ اور تیرے تریاق وصل سے دُوری اس کے حق میں سَم ہے۔ تو نے اس سے
کنارہ کیوں کیا۔ اور داغ فراق کا اس بیچارے مشتاق کے دل پر کس واسطے رکھا۔ اس نازنین
کو یہ کلام رندانہ سنکر بہت حیا آئی۔ اور اس کی چھیڑ چھاڑ کی باتوں سے نہایت شرمائی پھر دوپٹہ
کا آنچل منہ پہ لے کر بولی ارے تو کون ہے۔ مگر تلاشی عزرائیل کا ہے۔ جلدی یہاں سے بھاگ
ورنہ ابھی مارا جائے گا۔ تاج الملوک بولا اگر سراسر فی الحقیقت تیرے نزدیک بار ہے۔ سب تجھے
رغبت ہو تو حاضر ہے۔ اور جو کسی دشمن سے ڈراتی ہے تو ہرگز میں نہیں ڈرتا۔ شعر نہیں ڈرتا میں
مرنے سے ڈراتی ہے تو کیا مجھ کو۔ کہ جاں پہ کھیلنا ہے سہل رند لاابالی کا۔ بہر حال تو اپنے حال سے
مطلع کر۔ تب اس زہرہ جبین نے سر اٹھا کر کہا۔ کہ میں پری ہوں اور میرا نام روح افزا ہے۔ اور
مظفر شاہ تخت نشین جزیرہ فردوس کا میرا باپ ہے۔ ایک روز میں اپنی چچا زاد بہن کی عیادت کے
لئے کہ اس کا نام بکاؤلی ہے گلستان ارم میں گئی تھی۔ پھرتے ہوئے ایک دیو روسیاہ نے مجھے
پکڑ لیا۔ اور یہاں لے آیا۔ اب مجھ سے نزدیکی کیا چاہتا ہے۔ اور میں دور بھاگتی ہوں۔ اس واسطے
مجھ کو نئی نئی طرح سے ستاتا ہے۔ اور ہر روز ایک آفت تازہ میرے سر پر لاتا ہے۔ یہ سُنکر
تاج الملوک نے پوچھا کہ تیرے چچا کی بیٹی کو کیا مرض ہے۔ کہا کہ وہ کسی آدمزاد سے عشق رکھتی ہے مگر مدت
کے بعد اسے بہزار خرابی وہ ملا تھا۔ کچھ ایسا جوگ پڑا کہ وہ پھر جدا ہو گیا۔ اب اس کے فراق میں
وہ رشک حور مجنون کی مانند دیوانی ہو رہی ہے اور اپنی جان شیریں کو اس فرہاد وقت کے غم میں
کھو رہی ہے۔ کچھ اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میرے چچا نے اسکو قید کیا ہے ورنہ جاری
ہے اس کی اذیت کا صدمہ اپنے اوپر لیا ہے۔ اس ماجرے کو سنکر شہزادہ کی حالت متغیر ہو گئی۔
آنسو بھر آئے۔ لب پر آہیں اور دل و دماغ میں خلل ہو گیا۔ چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ روح افزا نے۔ یہ
حالت دیکھ کر کہا باوجود ان گرمیوں کے موجب آہ سرد کیا ہے؟ تب تاج الملوک نے کہا۔ کہ میں
وہی گرفتار بلا ہوں جس کی چچا کی بیٹی کی مہجوری سے وہ حالت ہوئی ہے۔ ادھر اس کا دل قید میں
گھبراتا ہے۔ اور ادھر آوارگی میں میرا جی جاتا ہے۔ غرض شہزادہ نے اپنا تمام قصہ روح افزا کے
روبرو کہا۔ وہ سنکر نہایت متعجب ہوئی اور دونوں کی محبت پر ہزار ہزار آفرین کی۔ بعد اسکے کہنے لگی۔
اگر میں نے اس دیو کی قید سے نجات پائی تو تیرے جگر کے زخم پر مرہم لگاؤں گی۔ شہزادے نے کہا

کہ اب تجھ کو کون روک سکتا ہے۔ اس قید خانہ سے ابھی نکل۔ جس طرف تیرا جی چاہے۔ شوق سے
چل۔ اگر اس دیو کا تیرے جی میں ڈر ہے۔ تو دیکھ لیجیو۔ ایک ہی حملہ میں اس کا کیا حال کرتا ہوں۔
لیکن اندیشہ یہ ہے۔ کہ میرے پاس حربہ نہیں۔ روح افزا نے دیو کا اسلحہ خانہ اس کو بتا دیا۔ اور
وہاں سے جا کر ایک تیغہ آبدار اٹھا لایا۔ اور اس کے پاس جا کر سراج القرطب کا عصا پاؤں میں چھوا
بیڑیاں اس نازنین کی پائے نازک سے کٹ کر گر پڑیں۔ اس کے بعد دونوں نے جزیرۂ فردوس
کی راہ لی۔ چنداں دور نہ گئے تھے۔ کہ ایک آواز مہیب پیچھے سے آئی۔ روح افزا نے کہا اے
شہزادے ہشیار ہو دشمن خونخوار آ پہنچا۔ فوراً تاج الملوک نے ٹوپی نکال کر روح افزا کے سر پہ
رکھی۔ اور آپ دیو کی طرف متوجہ ہوا۔ دیو بھی سامنے آیا۔ شاہزادہ نے للکار کر کہا۔ کہ او دیو لعین!
خبردار قدم آگے نہ بڑھانا۔ نہیں تو ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر دوں گا۔ دیو یہ سنکر بجلی کی
طرح کڑکا۔ اور دانت نکال کر بولا۔ عجب تماشہ کی بات ہے۔ کہ چیونٹی ہاتھی سے مقابلہ کیا چاہتی
ہے۔ اور چڑیا سیمرغ سے لڑنا چاہتی ہے۔ مجھے ننگ آتا ہے۔ کہ مکھی کے خون سے کیا
ہاتھ بھروں۔ اور جس ہاتھ کے طمانچہ کا زور کوہ قاف کے منہ کو پھیر دے۔ ایک مشت خاک پر کیوں
ماروں۔ خیر میری معشوقہ میرے حوالے کر دے۔ تو اپنی راہ لے۔ میرا دل اس کے شمع جمال
پر پروانہ کی طرح جلتا ہے۔ اور اس کے ہی سوز عشق سے دمبدم پگھلتا ہے شہزادہ
نے کہا اے مردود گندہ دہن! لائق نہیں کہ تو روح افزا کو اپنی معشوقہ کہے۔ خدا کا خوف کرتا ہوں
ورنہ ابھی تیری زبان کاٹ ڈالوں۔ دیو نے یہ زبان درازی اور لاف زنی شہزادہ کی دیکھ کر دیگ
کی مانند آتش غضب سے جوش میں آ کر سو من کا پتھر اٹھا کر شہزادہ کی طرف پھینکا۔ وہ اس
سنہرے کے زور سے اچک کر ہوا پر چل دیا۔ اور سراج القرطب کا عصا دیو کی گردن پہ ایسا
مارا۔ کہ تمام بدن اس کا کانپ گیا۔ اس کے بعد غصے سے کہا۔ دور ہو۔ اے لعین! اب
کی بار تو میں نے رحم کیا۔ اگر ایک ہاتھ اور مارتا۔ تو دو ٹکڑے کر دیتا۔ جب دیو نے حریف کو
نہایت شہزور پایا۔ تو ایسا شور مچایا۔ کہ چاروں طرف سے ہزاروں دیو گاؤ سر اور فیل تن
آ پہنچے۔ شہزادہ کو گھیر لیا۔ تاج الملوک نے بھی جیسی چاہیئے تھی۔ ویسی ہی جوانمردی کی داد دی۔
اور دیووں کی ڈائی بات کی بات میں مار لی۔ اشعار۔ یہ تلوار کی اس جری نے وہاں۔
زمیں ہل گئی کانپ اٹھا آسماں۔ لڑائی نے ہر سمت گاڑے تھے پار۔ کہیں صلح کی ہاتھ آئی نہ جا۔
کئے قتل اس نے تو لاکھوں پلید۔ یہ تیغ اس کی کہتی تھی ہل من مزید۔ وہ انسان دیووں سے ایسا لڑا

کہ مریخ بھی کہنے لگا مرحبا۔ تڑپتے تڑپتے وہ خاک میں نابکار۔ زمیں ہوگئی تھی کف رعشہ دار۔ بہا تھا یہ ان کے تنوں سے لہو۔ کہ تھی کوہ پر خون کی آبجو۔ غرض جو بچے بھاگ گئے پھرنے کے ساتھ۔ رہا کھیت بس شاہزادہ کے ہاتھ۔ لیکن تاج الملوک لڑتے لڑتے اور چالاکیاں کرتے کرتے تھک گیا۔ غش کھا کر گر پڑا۔ روح افزا دوڑی آئی۔ اور سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ گلبرگ سا ہاتھ اس کے سینہ پر پھیرا۔ اور اپنی بوئے دہن سے کہ رشک غنچہ و گل تھی۔ ہوش میں لائی۔ اور ٹوپی سر سے اتار کر شہزادے کے سامنے رکھ دی۔ اور اس کی جوانمردی پر ہزار آفرین کی۔ پھر اٹھ کر جزیرہ فردوس کی راہ لی۔ جب دونوں نزدیک شہر کے پہنچے۔ روح افزا نے تاج الملوک کو باغ میں کہ اس کا نام روح افزا تھا۔ بٹھا کر آپ ماں باپ کو ملنے کے لئے گئی۔ انہوں نے اس کے آنے سے زندگی دوبارہ پائی۔ اس کی سر اور آنکھیں چومیں۔ پھر سرگذشت پوچھی۔ روح افزا نے اذیت دیو ستمگار کی۔ اور مروت اور جوانمردی شہزادہ شجاعت شعار کی بیان کی۔ لیکن یہ نہ کہا کہ بکاؤلی کا بھی عاشق ہے۔ منظفر شاہ یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ اور شہزادہ کا شکر و احسان بمرتبہ بجالایا۔ مدارات بہت سی کی۔ ایک مسند پاکیزہ اور نئی بچھوائی۔ پھر کئی پریاں اس کی خدمت میں مقرر کر کے اپنے دولتخانہ پر آیا۔

سترہویں داستان خط لکھنا منظفر شاہ کا فیروز شاہ کو روح افزا کے پہنچنے میں اور آنا گل بکاؤلی کی ماں کا اس کی ملاقات کرنے کو

راوی شیریں زبان یوں بیان کرتا ہے۔ کہ منظفر شاہ نے ایک خط روح افزا کے پہنچنے کا فیروز شاہ کو لکھ کر بھیجا۔ وہ اس کو پڑھ کر نہایت شاد ہوا۔ اور فرمایا کہ جمیلہ خاتون روح افزا کے دیکھنے کو جلد جاوے۔ اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آوے۔ بکاؤلی نے جو ماں کی خبر سنی۔ کہلا بھیجا۔ کہ میں بھی بہن کی ملاقات کو تمہارے ساتھ چلوں گی۔ جمیلہ خاتون نے اس بات کو غنیمت جانا۔ اس واسطے کہ شاید وہاں جانے سے اور اپنی بہن کو دیکھنے سے اس کا غنچہ دل کھلے۔ اور مکانات مختلفہ کی سیر کرنے سے رنگ کدورت آئینہ دل سے دھل جائے۔ پاؤں کی زنجیر کاٹ دی۔ اور اپنے ساتھ لے کر جزیرہ فردوس کی راہ لی منظفر شا

نے جب سنا کہ جمیلہ خاتون اور بکاؤلی آتی ہے۔ تب رُوح افزا کو استقبال کے لئے بھیجا۔
روح افزا جب اس سے دو چار ہوئی تب رُوح افزا نے چچی کو جھک کر سلام کیا۔ اور قدموں
پر گر پڑی۔ اس نے سر اٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ آنکھیں چومیں۔ بلائیں لیں۔ پھر دونوں بہنیں
دیر تک آپس میں گلے ملیں۔ مبارک سلامت کی صدا طرفین سے بلند ہوئی۔ پھر روح افزا
نے مُسکرا کر بکاؤلی کے کان میں کہا۔ تمہیں اپنے مطلوب حکیم کا آنا مبارک ہو۔ اب اس
کو شوق سے نبض دکھاؤ۔ شربتِ وصل پیو۔ یہ سن کے خوف سے اس وقت تو چپ ہو
رہی۔ پوچھ نہ سکی۔ پر دل میں کچھ شاد ہو کے مغموم ہوئی۔ القصہ روح افزا دونوں کو بہ آئین
شائستہ اپنے گھر لائی۔ مظفر شاہ اور حسن آرا بھی جمیلہ خاتون سے ملے۔ نہایت شفقت
اور مہربانی سے پیش آئے۔ پھر ادھر ادھر کا مذکور نکلا۔ دروازہ گفتگو کا کھلا۔ آخرش روح افزا
کی رہائی کا ذکر بھی درمیان میں آیا۔ اس نے اس کو اور ہی ڈھب سے کیا۔ جمیلہ خاتون ایک
رات رہ کر دوسرے دن رخصت ہوئی۔ روح افزا نے اس وقت عرض کی۔ کہ میں چاہتی
ہوں کہ بکاؤلی چند روز میرے پاس رہے۔ شاید یہاں کے رہنے سے اس کے آئینہ
طبع کا زنگ چھوٹ جائے۔ اور نور عقل اس میں نمایاں ہو۔ اور تاریکیٔ سودائی پنہاں دُور ہو
جمیلہ خاتون نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کی اجازت دی۔ اور گلستان ارم کی
راہ لی۔ روح افزا بکاؤلی کو لے کر میٹھی میٹھی باتیں عشق آمیز کرنے لگی۔ طول بہت سا دیا۔
آخر تاج الملوک کے سوز و گداز سے بھی کچھ کنایہ کیا۔ لیکن ہم چشمی کے سبب سے بکاؤلی کو شرم
آگئی۔ اور مارے حیا کے پانی پانی ہوگئی۔ پھر غصہ سے منہ پھیر کر بولی واہ واہ بُوا مجھے یہ
ہنسی خوشی نہیں آتی۔ اور ایسی چھیڑ چھاڑ نہیں بھاتی ہے۔ شاید تم یہ اپنی بیتی ہوئی مجھے پردے
میں سناتی ہو۔ میں نے جانا کہ تم اپنے ویو کا دل ہی دل میں غم کھاتی ہو۔ یہ کہاوت تم پر پھب
گئی ؎ ہاتھوں مہندی پاؤں مہندی اپنے لچھن اوروں دے دہی۔ بس زیادہ مت بکو۔
قسم ہے حضرت سلیمان کی۔ میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ پھر کبھی تمہارے گھر نہ آؤں گی۔ بھلا
شمع فانوس کو پروانہ سے کیا نسبت۔ اور سربستہ غنچہ کو بلبل سے کیا نسبت۔ کہاں پری کہاں
انسان۔ بھلا خیال تو کرو۔ یہ تمہارا صرف گمان ہے۔ روح افزا نے جب یہ دیکھا۔ یہ کسی طرح
ہاتھ نہیں آتی اور کسی طرح دھوکا نہیں کھاتی۔ کہنے لگی اے بہن یہ تو میں نہیں کہتی۔ کہ تو کسی کو چاہتی
ہے۔ یا خدا نخواستہ کسی کے درد سے تو کراہتی ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ۔ تو شمع ہے۔

کوئی پروانہ جو آپ سے اگر جلے تو شمع کو کیا۔ اسکے جلنے سے اگر ہزاروں گل نیلوفر دریائے عشق میں ڈوبیں۔ درج کو کیا پرواہ۔ غرض ایسی وضع کے اور ذکر نکال کر اس کے غصّے کو ٹال دیا۔ بھلا مانے میں ڈال کر ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس مکان کی روش پر کہ جس میں تاج الملوک رہتا تھا۔ آکر پھرنے لگی۔ اتنے میں آواز دردناک اس مریض کی بکاؤلی کے کان میں پہنچی۔ سنکر بے چین ہوئی۔ آخر رہ نہ سکی۔ روح افزا سے پوچھا۔ کہ یہ کس کی صدا ہے۔ اس نے کہا کہ ایک شکار نو گرفتار نالاں ہے۔ آ تجھے اس کا تماشہ دکھاؤں۔ اور اچھی طرح سے اس کی آواز تجھے سناؤں۔ غرض بکاؤلی کو دہوکہ دے کر شاہزادہ کے آگے لا کھڑا کیا۔ تاج الملوک سے دوچار ہوتے ہی صبر و اختیار کی باگ بکاؤلی کے ہاتھ سے چھٹ گئی۔ اور بازارِ عشق میں جنس صبر و قرار کی لٹ گئی۔ وہ بھی آتش شوق سے جلا ہوا صبر نہ کر سکا دوڑ کر اس چشمۂ خوبی سے بیخود لپٹ گیا۔ بکاؤلی نے دامن حیا چھوڑ کر اپنے ہاتھ اس کی گردن میں حمایل کیے۔ پھر تو دونوں جلے ہوئے دل کھول کر خوب روئے اور غم جدائی کے دفتر اپنے اپنے اشک خونین سے خوب دہوئے۔ روح افزا یہ حالت دیکھ کر ٹھٹھہ مار کر ہنسنے لگی اور کہنے لگی۔ بہن تو تو اب تک دنیا کی لذت سے واقف نہیں۔ بیگانے مرد کی صورت آجتک دیکھی نہیں۔ پھر اس نامحرم مرد کے گلے لگ کر زار زار کیوں روتی ہے۔ اور اس کے غم میں اپنا ننھا سا جیوڑا کیوں کھوتی ہے تو نے میرے چچا کا نام ڈبو دیا ہے۔ اور سارے کنبے کو کلنک کا ٹکا لگا دیا ہے۔ یہ بات سنکر بکاؤلی نے کہا اے روح افزا اگر تو نے میرے سینہ فگار کے زخم پر مرہم لگایا ہے۔ تو ناحق طعن سے مت چھیل۔ اور شربت دیدار پلایا ہے تو زہر مت کھلا۔ اب تو تجھ پر میرا راز بالکل ظاہر ہو گیا اور پردہ کھل گیا۔ میرے حق میں جو تو چاہے سو کر مختار ہے۔ القصہ وہ عندلیب شیدا اور وہ گل رعنا چمن نشاط میں بخوبی ہنسنے بولنے اور اپنے اپنے اشتیاق کے ہر ایک نے دفتر کھولے۔ کئی دن بوس و کنار کی لذت لی اور جام وصال سے اپنی پیاس جی بھر کے بجھائی۔ آخر ایام وصال کے آخر ہوئے۔ بکاؤلی کی روانگی کا دن آ پہنچا۔ تاج الملوک پھر بستر بیقراری پر گر کر ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر اس نے بھی چاہا کہ حیا کے پردہ کو اٹھا کر ویسا ہی حال بنائے۔ روح افزا بولی۔ زنہار اے بہن ناحق رسوائی ہو گی۔ اور جگ ہنسائی چند روز اور صبر کر انشاء اللہ تھوڑے دنوں میں تیرے چاہنے والے کو بخوبی ملاتی ہوں۔ اور شربت وصل وذات پلاتی ہوں۔ زمانہ فراق کا اب تھوڑا رہا ہے اور روز وصال کا نزدیک آ پہنچا ہے۔

خاطر جمع رکھ۔ ماں باپ کی فرمانبرداری کر۔ اور جناب الٰہی میں گریہ وزاری کر۔ پھر دیکھ کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اور میری سعی کیا دکھاتی ہے۔ بکاؤلی یہ سنکر چاروناچار گلستان ارم کو گئی۔ اور ماں باپ کی خدمت میں مشغول ہوئی ۞

اٹھارہویں داستان روح افزا کے ظاہر کرنے میں اپنے اماںباپ سے تاج الملوک اور بکاؤلی کے عشق کی کیفیت اور جانا اسکا جمیلہ خاتون کے پاس ان دونوں کے بیاہ کی درخواست

کہتے ہیں۔ جب بکاؤلی روح افزا سے رخصت ہوئی۔ اپنے گھر گئی۔ روح افزا نے شہزادہ اور بکاؤلی کے عشق کی تمام وکمال کیفیت اپنی ماں سے ظاہر کی۔ حسن آرا یہ سنکر دیرتک گریبان تفکر میں سر ڈالے رہی۔ پھر سوچ کر بولی۔ اگرچہ آدمی کا ناطہ پری سے ہونا محال ہے۔ لیکن اس نے میری بیٹی کو قید شدید سے چھڑایا ہے۔ مجھ کو لازم ہے۔ کہ میں بھی اس کو زندان غم والم سے چھڑاؤں۔ اور مطلب کو پہنچاؤں۔ یہ کہہ کر اسی وقت ایک مصور شبیہ کش چالاک دست کو بلاکر شہزادہ کی تصویر کھچوا کر گلستان ارم میں لے گئی۔ اور فیروزشاہ اور جمیلہ خاتون سے ملی۔ بلکہ چند روز وہیں رہی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ جمیلہ خاتون سے باتیں کرتے کرتے مطلب کی بات آئی۔ اور اس وضع سے کہنے لگی۔ کہ اے بہن اگر کوئی غنچہ رنگین آب وہوا کے فیض سے کسی شاخ پر لگے۔ اور اس کے پاس بلبل نہ بیٹھے۔ تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور اگر آبدار موتی کسی شاخ میں لگے۔ اور وہ اس کو رشتہ سے باہر رکھے۔ تو عقل سے باہر ہے۔ کب تک تو بکاؤلی کو کنواری رکھے گی۔ بہتر ہے کہ اس زہرہ جبین کو کسی ماہرو کے پہلو میں بٹھا۔ اور غنچہ خوبی کو مونس بہار کا بنا۔ جمیلہ خاتون نے یہ سن کر کہا اے حسن آرا۔ تو نے سنا ہے کہ اس نے کسی آدمزاد سے دل لگایا ہے۔ اور اسی آدم زاد کا سودا اس کے سر میں سمایا ہے۔ اپنے ہمجنس کو نہیں چاہتی اور غیر جنس کے واسطے وہ رات دن کراہتی ہے۔ اس امر میں ناچار ہوں۔ بزرگوں کا چلن کیونکر چھوڑوں۔ اور اس امر کی خواہش سے قدیم سلسلہ کو کس طرح توڑوں۔ اپنے کفوں کے ہوتے غیر کفوں سے کبنے کیا ہے۔ جو میں کروں۔ پری کا کبھی آدمی سے بیاہ ہوا ہے۔ کہ میں بھی بیاہوں۔ حسن آرا نے کہا کہ سچ کہتی ہو لطیف کو ہم صحبت کثیف کرنا البتہ نادانی ہے۔ لیکن انسانوں کے کمالوں سے واقف ہوتی۔ تو ایسے خیالات فاسد ہرگز دل میں نہ لاتی۔ سن اے نادان اشرف خلقت یزداں ہے اور اس کی صنعت

سب سے پایاں اشرف اور افضل ہے۔ اسکے رتبوں اور درجوں کی انتہا نہیں ہے۔ وہ ایک نہنگ ہے دریا کے رہنے والا اور ایک قطرہ ہے حقیقت میں دریا و جامع کمالات علم الٰہی کا ہے تنافات اور مجردات کا مجمع ہے مراتب بندگی اور بادشاہی کا بیت الانسان کی ذات جامع برزخ ہے یگانگی۔ ظل خدا و صورت مخلوق ہے عیاں۔ جان کہ صوفیہ ہر ایک کو عالم ارواح کی نوعوں میں سے باری تعالیٰ کے ایک ایک اسم اور صفت کا مظہر خاص جانتے ہیں۔ اور اس عالم صورت گو کہ خواص ظاہری اور باطنی سے نسبت رکھتا ہے۔ اس عالم کا سایہ پس ہر ایک ذرہ فرد کائنات سے روشن ایک تجلی ابدی اور قطرہ سرمدی سیماب ہے

بیت۔ برگ درختان خود در نظر ہشیار۔ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار۔ اس عالم میں انسان کہ ہمارے افراد کون و فساد اسکے ملازم ہیں۔ خدا کے سارے اسموں اور صفتوں کا مصدر ہے اور اسکی خاص مقام کلام فضیلت انسان میں دریائے بے پایاں ہے۔ اس قدر اکتفا کیا۔ اسے جمیلہ خاتون وہ اصل اور بار او جود نقلی وہ مخدوم اور ہم خادم نہ ہے شرف کہ شریعت ہم سے ارادہ وصل کا کرے اور مخدوم خادم سے قصد قرب کا رکھے۔ القصہ اس آب و تاب سے انسان کی تعریف کر کے فضیلتیں بیان کیں۔ کہ اس کا شعلہ غضب بجھ گیا۔ کہنے لگی اب اس بدکردار بد اطوار کا ذکر نہ کیجو۔ کہ اپنی بیٹی ہرگز اسکو نہ دونگی۔ اور ایسے خائن کو اپنی دامادی میں ہرگز نہ لونگی۔ آخر حسن آرا نے تاج الملوک کی تصویر جمیلہ خاتون کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ یہ تصویر شرقستان کے شہزادے کی ہے۔ دیکھ ایسا نقشہ قلم تقدیر نے صفحہ عالم پر آجتک نہیں کھینچا۔ اور اس پرواز کا چہرہ ورق جہاں پر دوسرا نہیں بنایا اس یاسمن گلشن محبوبی کو اس گل خوبی کے ساتھ ملا اور اس زہرہ فلک حسن کو اس ماہ برج خوبی کے ساتھ پہلو میں بٹھا۔ الغرض وہ بارے ناچار راضی ہوئی۔ کہنے لگی۔ بھلا اس کو کہاں ڈھونڈوں اور کس تدبیر سے بلاؤں۔ حسن آرا نے کہا تم خاطر جمع سے شادی کی تیاری کرو میں اسکو فلاں تاریخ دولہا بنا کر برات سمیت لے آتی ہوں۔ یہ کہہ کر رخصت ہوئی۔ پلک مارتے ہی جزیرہ فردوس میں آ پہنچی۔ اور شہزادہ کے آگے سن و عرض کیا۔ اور وصل کا مژدہ دیا ۞

انیسویں داستان تاج الملوک اور بکاؤلی کے بیاہ کی

باغبان اس باغ کا گل و بلبل کی اصلیت یوں بیان کرتا ہے۔ کہ جمیلہ خاتون نے جو گفتگو کہ حسن آرا اور اسمیں ہوئی تھی۔ فیروز شاہ سے جا کر اظہار کی۔ اور تصویر شاہزادہ کی دی اور سمن رو کے ہاتھ بکاؤلی کے پاس بھیجدی کہ یہ تصویر شرقستان کے شہزادہ کی ہے۔ بالفعل اس زمانہ میں ایک

حسین جوان کہیں نہیں۔ تو کہ آدم زاد کے سودا میں دیوانی ہو رہی ہے اور جان لطیف اس خاکی کثیف کے پیچھے کھو رہی ہے۔ تیری مرضی ہو تو اسکے ساتھ بیاہ کر دوں۔ میری دانست میں تو نوع انسان میں ایک ایسا آدمی تو کمتر ہوگا۔ بلکہ پریوں میں بھی حرف ہے۔ وہ خوشی خوشی تصویر لئے ہوئے بکاؤلی کے پاس آئی۔ اور بادشاہ کی زبانی جو حقیقت سنی تھی۔ کہہ سنائی۔ اس محو جلوۂ ناز نے اسکو نگاہ غور سے دیکھا تو اپنے ورق دل کی صورت کے مطابق پایا۔ بلکہ خط و خال میں بھی سرمو فرق نہ دیکھا۔ جی میں سمجھی کہ نگار پردازی اور نیرنگ سازی روح افزائی ہے۔ واقعی وہ چھیتی اپنے قول کی بڑی سچی ہے۔ مسکرا کے سمن رو پری سے کہا کہ دیکھ تجھے میرے سر کی قسم یہ اس شخص کی تصویر ہے جسکے خزان غم سے گل نارسیدہ کملایا اور غنچۂ نو رسیدہ مرجھایا ہے۔ وہ ملاحظہ کر کے بے اختیار مارے خوشی کے اچھل پڑی اور بولی ہاں شہزادی یہ تصویر اسی کی ہے۔ تو اب ہنسو بولو۔ خوشیاں کرو جو تمہارا مطلب تھا خدا نے پورا کیا۔ یہ کہہ کر بادشاہ کے حضور میں آکر عرض کی۔ کہ حضرت ہم سب فرزندان آپکے تابع ہیں۔ ان کی سعادتمندی یہی ہے کہ والدین کی مرضی کے خلاف نہ کریں۔ اور ہر حالت میں اُن کی خوشی مقدم رکھیں۔ اگر وہ یہ ان کو پسند ہو تو بیٹی اسکو غلمان سمجھے۔ اور اگر ایک حبشی سیاہ اسکے واسطے تجویز کریں تو اس کو ماہ کنعان جانے۔ فیروز شاہ اسکی گفتگو سے نہایت شاد ہوا۔ اور شادی کی تیاری کا حکم دیا۔ تمام جزیرہ کے دکانوں کو نقش و نگار سے آرائش دی۔ اندر اور باہر نئے فرش بچھ گئے۔ ناچ رنگ ہونے لگا۔ ہر طرف شادی کی دھوم مچی ہر جگہ رقعے بھجوائے پریوں کے غول ہر طرف سے آئے

مجلس نشاط آراستہ ہوئی۔ شراب چلنے لگی۔ توڑے جانے لگے لوگ ضیافتیں کھانے لگے فیروز شاہ
ہر ایک کے رتبہ کے موافق اسکی خاطر و مہمانداری آپ بھی کرتا۔ اہلکاروں پہ نہ چھوڑتا۔ آغاز کار انجام بخوبی
ہوا۔ ادھر جزیرۂ فردوس میں مظفر شاہ نے بھی اسی طرح سے تاج الملوک کی شادی کی تیاری کی اور
لوگوں کی مہمانداری کی۔ پھر بروز مقررہ وزیروں امیروں کو حکم دیا۔ کہ لباس زریں پہنیں اور لشکر
کے سرداروں کو کہدیں۔ کہ با فوج آراستہ ہوں۔ اور محل میں بھی حسن آرا نے اپنے مصاحبوں اور خواصوں
کو بآئین شائستہ آراستہ کیا۔ اور خود لباس مکلف اور زیور جواہر پہنا۔ بعدہٗ نیک ساعت دیکھ کر شہزادہ کو
ایک چوکی پہ بٹھایا اور شاہانہ جوڑا پہنایا۔ تاج شاہانہ سر پہ رکھ کر نیچے گوشوارے اسکے آگے موتیوں کا سہرا
باندھا اور جیغہ اور کلغی اور سرپیچ لگایا۔ طرہ رکھا۔ گلے میں ہار اور بدھی پہنی۔ اور بازوؤں پر جوشن باندھے
پھر ایک خوبصورت گھوڑے پر گنگا جمنی ساز لگا کر کلابتون کی جھالر۔ شہزادہ کو اس پر سوار کر دیا اسکے
بعد مظفر شاہ کئی بادشاہ سمیت شہزادہ کو بیچ میں لئے ہوئے امیر اور سردار داہنے اور بائیں اور آگے
نوبت و نشان کے ہاتھی تخت رواں۔ شتر سوار۔ تلنگوں کی کمپنیاں۔ پیادوں کی پلٹنیں۔ باجے بجاتے
ہوئے خاص بردار برچھے بردار بان برداروں کے غول۔ سواروں کے پرے اور آتشبازی چھٹتی
ہوئی اور پیچھے تخت رواں پر ارباب نشاط اور آرائش کی ٹٹیاں اسطرح بامینے چڑھا۔ اور یہاں بکاولی کو آراستہ کیا
پرستاروں نے یہ اسکو بنایا۔ جہاں میں حور جنت کر دکھایا۔ عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی۔ کہ لیگی دیکھ کر ہر ایک کا جی
لپٹ آئی جوان بالوں کی بکھا۔ ہوئی کافور بوئے مشک تاتار۔ کچھ ایسی گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی۔ ہر اک اہل نظر کی جان لوٹی
جب اسکی موتیوں نے مانگ بھری۔ فلک نے کہکشاں قربان کر دی۔ چنی جب اسکی پیشانی پہ افشاں۔ قمر پہ ہو گئے تارے نمایاں
جو ٹیکا اسکے ماتھے پہ لگایا۔ قمر نے اپنے دل پہ داغ کھایا۔ برنگ مہر تاباں تھا جو چہرہ۔ ہوا انوار شعاعی منہ پہ سہرا۔
جو بام ابرو پہ پرخم ملا تھی۔ یہ کہئے اسکے قبضے میں قضا تھی۔ وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی۔ حق مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی
جب اسکے کانیں پہنایا جھمکا۔ پریشاں ہو گیا عقد ثریا۔ پھر نتھ خوشی سے رنگ دمکا۔ وہ مکھڑا چاند سا پردے میں چمکا
مسی آلود نداں پیارے پیارے۔ چمکتے تھے شب یلدا میں تارے۔ مسی ملکر جب اسنے پان کھایا۔ یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا
مسی مالیدہ لب پہ رنگ پان ہے۔ تماشہ ہے نہ آتش اور دھواں ہے۔ بنایا خال کاجل سے ذقن پر۔ عجب جوبن تھا اس شکل چمن پر
چڑھی منہ چلن کے ایسی بہیریں (?)۔ کہ پھیکی ہو گئی نظروں میں شیریں۔ گلے میں پہنی جب موتی کی مالا۔ بنات النعش کو حیرت میں ڈالا
اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے۔ زر خالص کے زیب پا گھڑے تھے۔ بہت سے اسکے سوا بھی اور گہنا۔ مناسب جسجگہ تھا اسنے پہنا
کف رنگین پہ جو وزرنا تھے۔ چرانے کو دل عاشق بلا تھے۔ اسے پہنائی ایسی لال انگیا۔ دلوں کو صید کرتی جس کی چڑیا
عجب انداز کا بنگلہ بنا تھا۔ کہ اسپر ملک دل بنگلہ بنا تھا۔ وہ ڈورے آنکھ میں تھے دید و افزوں۔ کٹورے اسکے جام چشم میگوں

بھویں اسکی تھیں یا برچھی کی نوکیں جو ستم سامنے آوے تو نوکیں وہ اسکا پیٹ گورا لال کرتی۔ دل چالاک کی کھوتا تھا پھرتی
چھپتی نہ تھی لطافت سیتن کی۔ نمایاں صاف تھی رنگت بدن کی۔ نظر جبکی پڑی اسپر وہ بولا۔ شفق میں دیکھنا کیا چاند نکلا
معرق ایسا پہنایا تھا جامہ۔ کہ جسکی مدح میں عاجز ہے خامہ۔ لباس و زیور و حسن و ادا کا۔ بیاں سب کا کروں نہیں کب ہے یارا
جو تھا ذی روح وہ تھا محو دیدار جسے دیکھو بنا تھا نقش دیوار ؎ القصہ جب رات قریب پہنچی۔ فیروزشاہ نے
کئی ارکان دولت استقبال کو پہنچے۔ وہ نہایت تعظیم و تکریم سے لے آئے۔ اور جس جگہ مجلس نشاط و محفل
انبساط برپا تھی۔ وہاں ہر ایک کو بڑی تعظیم سے بٹھایا۔ اور آتشبازی چھٹنے لگی۔ اور حسن آرا کے ساتھ
اسی سلوک سے جمیلہ خاتون پیش آئی۔ سارے طریقے سمدھیوں کے بجالائی۔ غرض پچھلے پہر تک ناچ
رنگ رہا اسکے بعد گوہر یکتا کا اس لعل بے بہا کے ساتھ عقد باندھا۔ مبارک سلامت کا ہر طرف غل پڑ
گیا۔ پھر شربت پلانے لگے۔ گوٹوں اور پھولوں اور گوٹوں کے ہار پہنانے الائچیاں ورکچی ڈکیاں عطر
کی شیشیاں دینے لگے اسکے بعد دولہا کو گھر میں بلایا اور دولہن کو اسکے پاس شاہانہ مسند پر بٹھایا۔ نباتات
چھوا کر ٹوٹنے کو اکر آرسی مصحف دکھا دولہا کو باہر رخصت کیا۔ دولہن کو ملنے کے لئے گود میں اٹھا کر لیگئے
جہیز نکلنے لگا۔ فیروزشاہ نے ایک مکان عظیم الشان کو جو تخت گاہ کے قریب تھا بیٹی داماد کے رات بھر
رہنے کو نہایت تکلف سے سجوایا۔ جب جہیز نکل چکا۔ اور برات کے چلنے کی تیاری ہوئی پھر دولہا کو گھر
میں بلوایا۔ ڈیوڑھی پر چھپا لگوایا۔ دولہا کو دولہن نے گود میں لیا۔ چھپان میں سوار کیا۔ پھر اسی پری پیکر گھوڑے
پر سوار ہوکر ہر ایک چھوٹا بڑا جلو میں چلنے کو تیار ہوا۔ اسی طرح آگے تخت رواں۔ شتر سوار۔ پیادے اور
سوار بے شمار نقارچیوں کی قطار روشن چوکی والے گاتے بجاتے ہوئے دولہن کی سواری پر چاندی
سونے کے پھول لٹاتے ہوئے اسی مکان پر جا پہنچے۔ ہر ایک براتی اپنے اپنے گھر سدھارا۔ کہاروں
نے دولہن کا چھپان آتار دیا۔ دولہا نے دولہن کو گود میں لیجا کر مسند پر بٹھایا کھیر چٹائی۔ خدا خدا کر کے
دن گذرا رات آئی۔ سب کنگنے ہوئے پردے چھوٹے دولہن کو مسہری میں لے گئے ؎ عاشق
و معشوق جہاں ہوں بہم۔ شوق بہت جوش میں ہو کم۔ شمع کو جو پروانہ دیکھے کہیں۔ رہ نہ سکے گر پڑے سپر ہیں
صبر کرے پھول سے بلبل کہیں۔ لے ہی لے آغوش میں مانند جاں۔ طوطی جو آئینے کو دیکھے کبھو چین
نہ آئے اسے بلا گفتگو۔ دیکھا جو شہزادے نے اسدم وہاں۔ اس گل بے خار کو لے باغبان بغل میں
لے کر لئے بوسے کئی۔ شوق نے پھر صبر کی رخصت نہ دی۔ لے چکا جب لپتہ لب کا مزا۔ زنخداں کے
سیب کو پھر جھک پڑا۔ عارض جو شرنگ کی خواہش جو کی۔ اسکی چکھی خوب طرح چاشنی۔ ابھری ہوئی چھاتیاں
سخت سخت۔ گیند کی مانند پائیں گرخت۔ رہ نہ سکا دیا ڈال اپنے ہاتھ۔ چھوڑ دیا صبر و تحمل نے ساتھ

گوہر والماس ہوئے پُر بیم۔ لپٹنے لگے دونوں مزے بہم۔ خوب جب وہ تھک گئے ماندے ہوئے۔ پھر ہر ایک نے اپنے ساعد سیمیں دوسرے کا تکیہ بنایا۔ منہ سے منہ لا سینہ سے سینہ لگایا۔ غرض اس طرح سے آرام فرمایا۔ صبح ہوئی مرغ نے بانگ دی۔ شہزادے نے اٹھ کر حمام کی راہ لی۔ اور روح افزا عشرتکدہ میں آئی۔ اور بکاؤلی کو دیکھا۔ رات کی جاگی ہوئی غافل سوتی تھی۔ بال چھوٹے ہوئے۔ ہار ٹوٹے ہوئے۔ ہونٹوں پر لاکھا نام کو نہیں رہا۔ آنکھوں کا کاجل سارا پھیل گیا۔ گالوں پر دانتوں کے اور چھاتیوں پر ناخنوں کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔ یہ عالم دیکھ کر رہ نہ سکی۔ جلد جگایا۔ اور مسکرا کر کہا اے بہن اس روز مجھے کہتی تھی۔ کہ تو نے دیو مکار کے مدرسہ کنار میں شرح لونیدی پڑھی ہے۔ آج تو تیرے اطوار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کو تو نے بھی یار کے مکتب آغوش میں وصل کی کتابوں کا خوب مطالعہ کر کے بخوبی علامۂ زمان ہو گئی ہے۔ پھر تو بہت عرصہ تک مصدر دلائل و تذلیل کو مختلف صیغوں کے ساتھ گردانا۔ اور عشرت کے مزید فعلوں کو الف وصل سے ربط دیا۔ نشان فاعل اور علامت مفعول کی کما ینبغی دریافت کی اور تحریر سے اپنے پاؤں باہر رکھے۔ بلکہ خلوت قبضہ موجہ مباشرت کو عکس مستولی بنایا اور اشکال مکاغذ کے مضروب و نتیجہ سے نتیجہ موافق کے مطلوب پایا۔ وصل کا یہی طریقہ لے لیا اور اپنے شارف کے نکتہ پر خط عمود کا قائم کیا۔ بکاؤلی یہ سنکر مسکرائی اور کہنے لگی۔ بوا تمہارے منہ میں پانی کیوں بھر آیا ہے۔ مجھ کو صاف ان کنایہ آمیز باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا بھی یہی ارادہ ہے بہت بہتر میں راضی ہوں۔ شوق سے اپنے سیب وصل اس مشتاق کے آگے رکھو۔ پھر اسکے قلم کی روانگی اور قوت دیکھو کہ کس کس طرح سے توڑ جوڑ بناتا ہے۔ اور یہ گل بوٹے بناتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باہم اس طرح ہنستیں اور بولتی رہیں۔ آخر روح افزا اپنے ماں باپ سمیت رخصت ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔ اور شہزادہ تاج الملوک نے فیروز شاہ کے محل میں جا کر بود و باش اختیار کی ٭

بیسویں داستان رخصت ہونے میں تاج الملوک اور بکاؤلی کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے

ایک روز تاج الملوک نے بکاؤلی سے مشورت کر کے فیروز شاہ اور جمیلہ خاتون سے رخصت مانگی۔ انہوں نے کہا بہت بہتر۔ ہزار غلام قرمساعت اور سینکڑوں لونڈیاں خوب صورت غایت

گیں۔ اور دان جہیز کے سوا کچھ نقد و جنس اور لوازمہ سفر کا دیا۔ اگر اس کی تفصیل لکھوں تو یقین ہے کہ ایک کتاب تیار ہو جاوے۔ اسلئے قلم انداز کیا۔ القصہ شہزادہ بڑی شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے بکاؤلی کو لیکر اپنے ملک میں پہنچا۔ دلبر محمودہ کی جان میں جان آئی۔ کشت امید سوکھی ہوئی پھر ہرائی۔ شہزادہ کا آنا ان کے حق میں ایسا ہوا۔ جیسے بیمار کے واسطے مسیحا۔ لیکن بکاؤلی کو جو اس حسن و جمال اور مال سمیت دیکھا۔ تو وہ دونوں حیران رہ گئیں۔ ہوش جاتے رہے۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پری نے جو یہ رنگ ڈھنگ دیکھا۔ ہر ایک کو گلے سے لگایا۔ دلاسہ دیا اور فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو کسی بات کا اندیشہ نہ کرو۔ میں تمہاری عیش میں مطلق خلل انداز نہ ہونگی۔ بلکہ اپنی خوشی پر تمہاری نشاط کو مقدم سمجھونگی۔ چنانچہ ہمیشہ شیر و شکر کی طرح آپس میں ملے جلے رہے۔ اور سوتلاپے کی جلن کسی کو نہ ہوئی۔ شہزادہ بھی ان غنچہ دہنوں کے ساتھ اوقات بسر کرنے لگا۔ اور عیش و عشرت سے رہنے لگا ؛

اکیسویں داستان بکاؤلی کے جانے راجہ اندر کے اکھاڑے میں اور ناچنا اس کے حضور میں اور تفرقہ پڑنا تاج الملوک اور اس میں

اہل ہند کی کتابوں میں یوں لکھتے ہیں:۔ کہ امرنگر نام ایک بستی ہے۔ وہاں کے باشندے
ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اور راجہ اندر وہاں راج کرتا ہے۔ دن رات پریوں کے ساتھ عیش و عشرت
میں رہتا ہے۔ اس کا کام یہی ہے۔ اور غذا اس کی ناچ اور راگ ہے۔ عالم جنات بھی اسکے تابع
ہیں۔ ساری پریاں اس کی مجلس میں جاتی ہیں۔ رات بھر ناچتی گاتی ہیں۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ
راجہ اندر نے فرمایا۔ کہ بکاؤلی فیروزشاہ کی بیٹی۔ مدت سے ہماری مجلس میں نہیں آئی۔ اس کا سبب
کیا ہے۔ اور یہاں کے آنے سے کون مانع ہے۔ پریوں میں سے ایک پری نے عرض کی کہ وہ ایک
انسان کے دام عشق میں گرفتار ہوئی ہے۔ بلبل بے قرار کی مانند نالہ و فریاد کرتی ہے۔ اور مدام اس
کے عشق میں سرشار رہا کرتی ہے۔ اپنے بیگانے سے اسکو نفرت ہے۔ فقط اس سے صحبت
ہے۔ شراب وصال اس کے ساتھ پیتی ہے۔ اور اسکے نام سے جیتی ہے۔ راجہ یہ سنکر غصہ میں آیا۔
اور شعلہ غضب اور بھی بھڑکا۔ پریوں کی طرف اشارہ کیا۔ کہ اس کو اسی وقت حاضر کرو۔ وہ تخت رواں
لے کر تاج الملوک کے باغ میں آئیں۔ اور بکاؤلی کو جگا کر راجہ اندر کی اعراض اور غضبناک ہونے کا
حال بیان کیا۔ وہ چاروناچار تخت پر سوار ہو کر امرنگر کو گئی۔ اور وہاں کانپتی ہوئی راجہ اندر کے سامنے
آکر آداب بجالائی۔ ہاتھ باندھ کر کھڑی رہی۔ راجہ اندر نے نگاہ قہر سے اسے دیکھا۔ اور بہت سا
بھڑکا۔ آخر فرمایا کہ اسے آگ میں ڈال دو۔ کہ انسان کے بدن کی بو باس اس کے بدن میں نہ رہے
اور یہاں کی صحبت کے لائق ہو۔ پریوں نے فوراً اس نسترن باغ لطافت کو اور یاسمن چمن
نزاکت کو ہاتھوں ہاتھ وہاں سے باہر لا کر آتشکدہ میں ڈال دیا۔ اور وہ جل کر راکھ ہوگئی۔ ؎
جل گیا عاشق تو کیا غم ہے کہ اس کی چشم تر۔ دیکھتی ہے یار کو گلشن میں مانند خلیل۔ زاں بعد
پانی پر کچھ منتر پڑھ کر چھڑکا۔ فی الفور وہ زندہ ہوگئی۔ اور ہئیت اصلی پر آکر ناچنے لگی۔ پہلی ہی ٹھوکر سے
اہل مجلس کے دلوں کو پامال کیا۔ اور ایک آمد و رفت میں تماشائیوں کو بے حال کیا۔ غرض ناچنے
کا جو حق تھا ادا کیا۔ ساری مجلس کو محو کر دیا۔ پھر تو واہ واہ کی صدا ہر ایک کے منہ سے نکلنے لگی اور
آفرین و تحسین کی آواز ہر طرف سے بلند ہونے لگی۔ بکاؤلی آداب بجالا کر راجہ سے رخصت ہو کر اپنے
محول پر اٹھی۔ سنگار کیا۔ لوگ بھی اندر باہر گئے۔ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ القصہ ہر شب
وہ غیرت ماہ امرنگر میں جاتی۔ پہلے تو اسے آگ میں جلاتے پھر راجہ کے حضور میں ناچتی گاتی۔
جب تھوڑی سی رات باقی رہتی۔ رخصت ہو کر اپنے گھر آتی اور گلاب کے حوض میں نہا کر اس دربا کی
خوبی سے ہم آغوش ہوتی۔ اور اپنے جی کو ٹھنڈا کرتی۔ اشعار۔ قبول اس نے کیا جلنا سدا کا۔ نہ چھوڑا

وصل لیکن دلربا کا۔ جلاتی تھی تن نازک کو ہر شب۔ نہ کھلتے تھے شکایت کو کبھی لب۔ وہ عاشق سے نہ
تھی کرتی کنارا۔ فراق اس کا نہ تھا ہرگز گوارا۔ جو جلنا مرنا اپنے جی میں ٹھانے۔ وہ ہر آتشکدہ کو آب جانے
گوارا ہوتی ہے سب نار سوزاں۔ سہا جاتا نہیں پر سوز ہجراں۔ جسے ہو شمع رُو کی محبت۔ اسی سے پوچھیے
جلنے کی لذت ؎ مگر شہزادہ تاج الملوک کو ہرگز اس بات کی خبر نہ تھی۔ ایک رات کا ذکر ہے۔
کہ بکاؤلی تو اپنے معمول پر وہاں گئی تھی۔ یہاں شہزادہ کی آنکھ کھل گئی۔ تو پلنگ پر اسے نہ دیکھا
ہر طرف باغ میں جاکر ڈھونڈا۔ کہیں اس کا سُراغ نہ ملا۔ نہایت تنگ ہو کر اپنے خلوتکدہ میں آ بیٹھا
اور یہاں تک اس رشک چمن کی راہ دیکھی۔ کہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ آخرش اسی حالت میں سو گیا۔
بکاؤلی بھی اپنے وقت پر آکر اس کے پاس سو رہی۔ صبح کو تاج الملوک نے جو بدستور اسکو
ساتھ سوتے دیکھا متعجب ہوا۔ لیکن دم نہ مارا اس راز کو مطلق نہ دیکھا۔ مگر اسکی تحقیقات کیواسطے
دوسری رات کو اپنی انگلی چیر کر کہ مبادا آنکھ لگ جائے۔ اور وہ بھید چھپا ہی رہے۔ غرض آدھی رات
ہوئی۔ پھر تخت آکر موجود ہوا۔ بکاؤلی اٹھ کر بناؤ کرنے لگی۔ اور شہزادہ بھی چھپ جاکر اس تخت
کا پایہ پکڑ کر بیٹھ رہا۔ اتنے میں وہ بھی آکر سوار ہوئی۔ اور اس کو پریاں لے کر اُڑ گئیں۔ تاج الملوک
اسی پایہ میں لٹک گیا۔ پس اس قدر بلند ہوا۔ کہ زمین اسے نظر آنے سے رہ گئی۔ جھٹ پٹ
راجہ اندر کے دروازہ پر جاکر اترا۔ بکاؤلی نکل کر ایک طرف کھڑی ہو رہی۔ اور یہ بھی الگ ہو کر۔
خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھنے لگا۔ غرض جس طرف نظر پڑتی تھی۔ ادھر پریوں کا جھرمٹ نظر آتا تھا
اور ہر طرف سے آواز قسم قسم کے سازوں کی اور راگوں کی جو تمام عمر نہ سنی تھی۔ متصل چلی آتی
تھی۔ حاصل یہ ہے۔ کہ تاج الملوک نے وہ کچھ دیکھا۔ جو کہیں نہ دیکھا اور وہ سنا جو کہیں نہ سنا تھا
وہ دنگ ہو کر رہ گیا۔ اتنے میں کئی پریاں دوڑی آئیں۔ اور بکاؤلی کو آتشکدہ میں ڈال دیا۔ وہ
جل کر راکھ ہو گئی۔ وہ اس حادثہ کو دیکھ کر سب بھول گیا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے
لگا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ حیف ہے۔ اس وقت طاقت نہیں رکھتا۔ ورنہ میں بھی
پروانہ کی مانند اس شمع رو کے ساتھ جل جاتا۔ اور اپنے بدن کو راکھ کر کے اس سے ملتا۔
کیا کروں کچھ بس میں نہیں۔ نہ قدرت فریاد کی۔ نہ جگہ داد کی۔ یہ تو اسی ادھیڑ بُن میں رہا۔ کہ
انہیں میں سے ایک پری نے پانی پڑھ کر اس کی راکھ پر چھڑکا۔ فی الفور زندہ ہو گئی۔ اور
راجہ کی مجلس میں آئی۔ شہزادہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ ازبس کہ اژدحام تھا۔ اس باعث سے
کوئی کسی کو پہچان نہ سکتا تھا۔ کسی نے بھی نہ جانا کہ یہ کون ہے۔ اور کیوں کھڑا ہوا ہے۔

اتفاقاً بکاؤلی کا پکھاوجی بڑا ضعیف تھا۔ ناتوانی کے سبب اچھی طرح بجا نہ سکتا۔ وہ رک رک کر ناچتی
تھی۔ اور بار بار تیوری چڑھاتی تھی۔ شہزادہ یہ حال دیکھ کر بے چین ہوا۔ آخر رہ نہ سکا۔ سارندے کے
کان میں جھک کر کہا۔ اگر تیری مرضی ہو تو ایک دو گتیں میں بجاؤں۔ کہ اس کام میں چالاک دست
ہوں۔ اس نے اس بات کو غنیمت جانا پکھاوج کو شہزادے کے حوالے کیا یہ تو اس کام میں بانی کار
تھا اور اسکے دام محبت میں گرفتار تھا۔ اسکی خواہش کے بموجب بجانے لگا۔ پھر تو یہ حقیقت ناچ کی
ہوئی۔ کہ در و دیوار سے واہ واہ کی صدا آنے لگی۔ راجہ بھی یہاں تک محفوظ ہوا۔ کہ اپنے گلے کا نولکھا
ہار اتار کر بکاؤلی کو عنایت کیا۔ وہ ناچتے ناچتے جو پیچھے ہٹی۔ تو وہ ہار اس نے پکھاوجی کے حوالے
کیا۔ بعد اسکے وہ مجلس راگ و رنگ کی برخاست ہوئی۔ تب تاج الملوک جس طرح گیا تھا۔ اسی طرح
اپنے باغ میں آیا۔ بکاؤلی گلاب کے حوض کی طرف گئی۔ پھر خواب گاہ میں جا کر سو رہی۔ لیکن شہزادہ
صبح کو مسکراتا ہوا آیا۔ پری نے پوچھا غیر عادت مسکرانے کا کیا سبب ہے۔ کہا رات کو عجیب خواب
دیکھا ہے۔ اس واسطے ہر گھڑی مجھے ہنسی آتی ہے۔ وہ کہنے لگی۔ خدا بہتر کرے۔ میں بھی تو سنوں
کیا دیکھا ہے۔ تاج الملوک بولا۔ یہ دیکھا ہے کہ آدھی رات کو تو کہیں جاتی ہے۔ اور مجھ کو خبر
نہیں کرتی۔ بکاؤلی یہ سنکر ڈری۔ کہ مبادا یہ بھید اس پر کھلا ہو۔ اور اگیا میرے ساتھ بھی گیا ہو
بہت سہمی ہوئی۔ کہ یہ سبب ضرور سنئے۔ پھر کہنے لگی۔ کچھ اور بھی دیکھا ہے۔ یا نہیں۔ شہزادہ بولا گویا
آج کی رات میں تیرے ہمراہ گیا ہوں۔ اس طرح پر کہ پریاں ایک تخت لائیں۔ اور تو اس پر سوار ہوئی۔
اور میں پایہ سے لٹکا ہوا چلا گیا۔ بس آگے نہیں کہتا۔ کیونکہ خواب کی بات بے سر و پا ہوتی ہے
اعتبار نہیں رکھتی۔ خواب خیال ہے۔ بے فائدہ کون بکے۔ بکاؤلی نے کہا۔ تجھے میرے سر کی
قسم ہے۔ جو دیکھا ہے سب کہہ دے۔ غرض تاج الملوک تھوڑا کہتا پھر خاموش ہو رہتا۔
اور وہ قسمیں دے دے کر پوچھتی جاتی۔ آخر سارا ماجرا اس نے از اول تا آخر کہہ سنایا۔ اور
وہ ہار راجہ کا بخشا ہوا۔ اپنے تکیہ کے نیچے سے نکال کر دکھایا۔ تب تو پری نے سر پیٹ لیا اور سُن
ہو گئی۔ ایک دم کے بعد بولی۔ اے شہزادے تو نے کیا کیا۔ اپنا دشمن تو تو آپ بنا۔ دیکھ میں نے
تیری خاطر ماں باپ کے ہاتھ سے کیا کیا رنج اٹھایا۔ اور ہر کس و ناکس کے طعنے سہے۔ یہاں تک
کہ ہر رات آگ میں جلنا قبول کیا۔ مگر تجھے نہ چھوڑا۔ ہرگز تیری راہ سے منہ نہ موڑا۔ چنانچہ تو نے اپنی
آنکھوں سے بھی تماشہ دیکھا۔ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ کاش کہ تو اس مجلس میں نہ جاتا۔ اور اپنے گھر
میں میری جدائی کا صدمہ نہ اٹھاتا۔ کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں۔ اب حیران ہوں۔ کہ اگر تجھے

نہ لے جاؤں۔ تو بنتی نہیں۔ اور جو لے جاؤں تو کہاں تک چھپاؤں۔ اور خفیہ رکھوں۔ خیر جو تقدیر میں ہے سو الٹ ہے۔ مگر آج اپنا طالع آزماتی ہوں اور تجھے اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اپنی سی کر گذرتی آگے جو مرضی خدا کی چنانچہ معمول کے وقت تاج الملوک سمیت گئی۔ اور راجہ سے سلام اور مجرا کے بعد بکاؤلی نے عرض کی کہ آج ایک بجانے والا نہایت چالاک اپنے ساتھ لائی ہوں۔ اگر حکم ہو تو یہاں آکر بجائے۔ راجہ نے فرمایا بہت اچھا۔ ہماری بھی عین خوشی ہے۔ کہ وہ اپنا کمال دکھائے۔ الغرض وہ بجانے لگا اور وہ نازنین ناچنے لگی۔ آخر یہ کیفیت ہوئی کہ ساری محفل غش کر گئی اور راجہ بھی مست ہو کر جھومنے لگا۔ اور اسی عالم میں فرمایا۔ جو مانگنا چاہتی ہے۔ مانگ۔ محروم نہ رہے گی۔ یہ سن کر بکاؤلی نے آداب بجا لایا۔ اور عرض کی کہ مہاراج کی بدولت لونڈی کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ اور کچھ ہوس دل میں باقی نہیں۔ مگر اس پکھاوجی کو بخشئے۔ کہ یہی آرزو ہے۔ اس سخن کے سنتے ہی راجہ برہم ہوا۔ اور شہزادہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ کہ اے آدم تو ہی اسکو چاہتا ہے۔ اور تجھے یہ چاہتی ہے۔ بہت اچھا ذرا اس کا مزہ چکھ اور لذت اٹھا۔ تو چاہتا ہے کہ بکاؤلی سی پری کو بے محنت اور بے مشقت یہاں سے لے جائے۔ اور اپنی بغل گرم کرے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ پھر بکاؤلی کی طرف منہ پھیر کر کہا۔ کہ اے بکاؤلی۔ تجھ سے سخن ہار چکا ہوں۔ جا تجھے اسے بخشا لیکن بارہ برس تک تیرا نیچے کا دھڑ پتھر کا رہے گا۔ یہ حرف جو اس سنگدل کے منہ سے نکلا۔ وہ سیمتن اسی وقت اس ہیئت کی ہو کر غائب ہوگئی۔ اشعار۔ ہیہات ازل سے ہے یہ عالم۔ شادی غمی تو ہوئی ہے توام ÷ دم بھر کی بہار بوستاں ہے۔ آخر وہی باغ میں خزاں ہے ÷ گر سر پر تیرے ہو تاج شاہی۔ گہ خاک پہ بستر تباہی ÷ گل ساکبھی داغ فراغ دیکھے کہ دل پہ ہزار داغ دیکھے ÷ دم بھر جو عیش و نشاط ہووے۔ خمیازہ پھر اس کا طیش ہووے ÷

بائیسویں داستان تاج الملوک کے سنگدیپ میں پہنچنے کے اور بکاؤلی سے ملنا اور چتراوت راجہ کی بیٹی کا اس پر عاشق ہونا

کہتے ہیں۔ کہ بکاؤلی راجہ اندر کی بددعا سے پتھر ہو کر وہاں سے غائب ہوگئی۔ اور شہزادہ سیماب کی طرح بے تاب ہو کر لوٹنے لگا۔ تب اس کو پریوں نے اٹھا کر نیچے پھینک دیا وہ ایک جنگل میں جا پڑا۔ تین روز تک بیہوش رہا۔ چوتھے روز جو آنکھ کھلی تو بجائے دلدار پہلو میں خار دیکھے۔ ہر طرف جاکر

شور و فریاد کرنے لگا۔ اور بکاؤلی کی خبر ہر ایک درخت سے پوچھی۔ ایک دن اسی طرح سے ایک سنگ مرمر کے تالاب پر جاکر پہنچا۔ چاروں طرف اس کے سیڑھیاں نہایت پاکیزہ اور خوبصورت بنی ہوئی تھیں اور میوہ دار درخت بہت سے اسکے اردگرد لگے ہوئے تھے۔ شہزادہ نے دیکھا اور ایک ساعت وہیں دم لیا۔ پھر نہاکر ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑا رہا۔ اور اپنے محبوب کے تصور میں ہو لیا۔ ناگاہ کئی پریاں کہ اس کے حال سے ناواقف تھیں۔ وہ بھی وہاں آ پہنچیں۔ اور اسی تالاب میں نہا کر بال سکھلانے لگیں۔ ان میں سے ایک کی نگاہ جو شہزادہ پر جا پڑی ساتھیوں سے کہنے لگی۔ بکاؤلی کا پکھاوجی یہی ہے۔ شہزادہ کے کان میں جونہی یہ آواز پڑی۔ آنکھیں کھول دیں اور پریوں سے باچشم اشکبار پوچھا۔ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ بکاؤلی کہاں ہے ان کا دل اس کا حال زار دیکھ کر بھر آیا۔ بولیں۔ کہ آنکھوں سے تو دیکھا نہیں۔ مگر سنا ہے۔ کہ سنگلدیپ میں ایک بتخانہ ہے۔ اس میں ہے۔ نیچے کا دھڑ ناف تک پتھر کا ہو گیا ہے۔ تمام دن اس مندر کا دروازہ بند رہتا ہے۔ پھر رات کے بعد صبح تک کھلا رہتا ہے۔ شہزادہ نے پوچھا کہ وہ کس طرف اور کتنی دور ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ راہ کی یہ کیفیت ہے تو ایک طرف اگر ساری عمر آدمی چلے جب بھی وہاں نہ پہنچے شہزادہ یہ سنکر مایوس ہوا۔ اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر اور جان سے مایوس ہو کر ڈھاڑیں مارنے لگا۔ اور پتھروں سے سر پھوڑنے لگا۔ پریوں نے اسکے حال پر رحم کھا کر آپس میں مصلحت کی۔ کہ اس آفت رسیدہ کو وہاں تک پہنچانا چاہیئے۔ آگے اسکی قسمت میں جو ہونا ہوگا سو ہوگا۔ فوراً اسے لے کر اڑیں۔ اور بات کی بات میں وہاں پہنچا دیا۔ ایک لمحہ کے بعد اس مایوس کے حواس درست ہوئے تو دیکھا کہ ایک شہر رشک بہشت بریں زمین پر آباد ہے۔ عجائب سواد ہے۔ تمام عورت اور مرد کوئی بدصورت نظر نہ آیا۔ بلکہ شجر بھی وہاں کے قد موزوں رکھتے تھے۔ کہ دیکھنے والے بھی دنگ رہتے۔ آخر سیر کرتا ہوا بازار کیطرف جا نکلا۔ راہ میں ایک پجاری برہمن ملا۔ اس سے پوچھا دیوتا تم کون ہو۔ اور کس ٹھاکر دوارے کے پجاری ہو۔ اس برہمن نے جواب دیا۔ کہ راجہ چتر سین۔ جو اس ملک کا والی ہے۔ میں اس کے ٹھاکر دوارے کا پجاری ہوں۔ پھر شہزادہ نے پوچھا کہ اس شہر میں کتنے ٹھاکر دوارے ہیں۔ جو مشہور و معروف تھے۔ وہ سب برہمن نے بتا دیئے۔ پھر یہ کہا کہ تھوڑے دنوں سے دکھن کی طرف دریا کے کنارے ایک نیا مندر پیدا ہوا ہے۔ دن بھر اس کا دروازہ بند رہتا ہے کھلتا نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے۔ شہزادہ یہ بات سنکر خوش ہوا۔ اور

اسی طرف جا کر دریا کے کنارے مندر کے دروازے پر جا کر بیٹھ رہا۔ پھر رات جب گذری اس استھان
کے دروازے کا ایک پٹ کھل گیا۔ تاج الملوک اندر گیا۔ دیکھا کہ بکاؤلی آدھی بصورت اصلی۔ اور
آدھی پتھر کی دیوار کا تکیہ لگائے پاؤں پھیلائے بیٹھی ہے۔ اسکو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔
کہ تو کون ہے اور یہاں کیونکر آیا ہے۔ اس نے ماجرائے گذشتہ کہہ سنایا۔ پھر تو ساری رات دونو
باتوں میں رہے۔ جب صبح ہونے لگی تو بکاؤلی نے شہزادے سے کہا کہ اب تو یہاں سے جا
اگر آفتاب نکل آئے گا۔ تو تو بھی مجھ سا ہو جائے گا۔ اسکے بعد ایک موتی اپنے کان سے نکال
کر دیا۔ کہ بالفعل اسے بیچ کر اپنا اسباب درست کر اور چند دن کاٹ۔ تاج الملوک اسے
لے کر شہر میں آیا۔ اور اسے کئی ہزار روپے کو بیچ کر ایک حویلی پختہ مول لی۔ اسباب ضروری
بھی بنایا۔ اور کئی خدمت گار نوکر رکھے۔ جب رات ہوتی بکاؤلی کے پاس جاتا۔ اور صبح کو
اپنے ٹھکانے پر آتا۔ اسی طرح ایک مدت گذر گئی۔ بعضے لوگ اس کے ہمسایہ کے شہزادہ
کے آشنا ہو گئے تھے۔ وہ اس کو شہر کی سیر کرانے لگے۔ ایک روز تاج الملوک ان کے ساتھ
سیر کو گیا۔ کہ ایک گروہ سر و پا برہنہ بحالت تباہ نظر آیا۔ شہزادہ نے اپنے یاروں سے پوچھا
کہ یہ اشخاص اگرچہ بہ لباس فقیری ہیں۔ لیکن صورت سے امیر معلوم ہوتے ہیں۔ خدا جانے انکا
کیا سبب ہے۔ ان میں سے ایک بولا۔ ان میں سے بعضے شہزادے ہیں اور کئی امیر زادے
لیکن سب جلے ہوئے آتش عشق اور اشتیاق کے اور نشانے ناوک فراق کے ہیں۔ ان کا
یوں قصہ ہے۔ کہ راجہ چترسین کی ایک بیٹی ماہ پارہ۔ بلکہ آسمان خوبی کا ستارہ ہے۔ اس کی مانند
کوئی عورت حسین۔ دوسری اس کے مقابلے کی اس سرزمین پر نہیں۔ اشعار۔ ناز ظاہر ہے
قد موزوں سے۔ مے ٹپکتی ہے چشم میگوں سے۔ سینکڑوں کشتے اس کی ابرو کے۔ لاکھوں
بندے ہیں تار گیسو کے۔ زلف اسکی ہے جس قدر شبگوں۔ ہے سیہ بخت اس قدر مفتوں۔
مستعد اور زہریلی آنکھیں ہیں اسکی۔ دم میں دیں مار اور جلائیں بھی۔ بس کہ ناموس جو کہ ہاتھ سے دے
اسکے کوچہ کی سمت راہ وہ لے۔ قصہ مختصر ایک تو وہ آپ ہی پری پیکر قاتل گبر و مسلمان ہے
دوسرے اسکے ساتھ اور بھی دو کافر غارتگر دین و ایمان ہیں۔ ایک تنبولی کی لڑکی نرملا نام۔
اور دوسری مالی کی چپلا نام اسم بامسمے ہے۔ غرض تینوں آپس میں اخلاص دلی رکھتی ہیں۔ اور
اٹھنا۔ بیٹھنا۔ جاگنا۔ سونا۔ کھانا پینا۔ دن رات ایک جگہ ہے۔ اور اپنے بیاہ کی بھی ہر ایک
آپ مختار ہے۔ جسے وہ پسند کریں اسی سے ہو۔ کسی کو اس بات میں دخل نہیں ہے۔

لیکن اب تک کوئی اس کا منظور نظر نہ ہُوا - اور نہ آنکھوں میں پھرا ہے - شہزادہ یہ سُن کر چُپ ہو رہا -
اتفاقاً ایک روز شہزادہ بیابان عشق اس حور بہشت کے محل کے نیچے جا نکلا - تماشائی اس کے
گل رخسار کے بلبل وار بکتے تھے - اور دیوانوں کی طرح آپس میں کچھ کچھ بکتے تھے - اور وہ پریزاد
بیٹھی جھروکے سے دیکھ رہی تھی - شہزادہ اس سے دوچار ہُوا - عشق کا تیر دل سے پار ہُوا -
عنان صبر و شکیب ہاتھ سے چھُٹ گئی - متاع ہوش حواس لُٹ گئی - بے خود ہو کر گر پڑی -
نرملا اور چپلہ نے دوڑ کر اٹھایا - منہ پر گلاب چھڑکا - عطر سُنگھایا - کچھ ہوش آیا - لیکن سکتے جیسی
حالت تھی - ہر چند انہوں نے حال پوچھا - مگر اس نے کچھ نہ بتایا - حیرت کو منہ پر اسی طرح رہنے
دیا - تب نرملا نے کھڑکی سے نیچے جھانک کر شہزادہ کو دیکھا - اور خیر اوت سے بیتابی کا حال
پوچھا - پھر تسلی دے کر کہنے لگی کہ اے رانی تیری بیقراری نے تو ہم کو بھی دیوانہ بنایا - اور اضطرابی
نے دامن صبر چھوڑا - اتنی کیوں گھبراتی ہے - اور کس واسطے آپ کو دیوانی بناتی ہے - اور تیرے
باپ نے تو بیاہ کی تجویز تجھ پر موقوف رکھی ہے - جس کو تو پسند کرے گی اس سے تیری شادی
کرے گا - تو خاطر جمع رکھ اس جوان ابلق سوار کو کہ جس کو دیکھ کر تیری حالت تغیر ہوئی ہے - اگر فرشتہ
ہے تو بھی تیرے دام سے نہیں جا سکتا ہے - اور کوئی اس کو چھڑا نہیں سکتا ہے - دیکھ تو ایسے
جال میں پھنساتی ہوں کہ چل نہ سکے - اور ایک قدم آگے ہل نہ سکے - یہ کہہ کر ایک کٹنی حال کی
تحقیق کو بھیجی - وہ عجب شوخی اور طنازی سے آئی اور آتے ہی شہزادہ کے گھوڑے کا ٹنکا رنبد
پکڑ کر کہنے لگی - تو نہیں جانتا کہ یہ شہر مقتل غربا ہے - اور یہاں عاشقوں کو سُولی دینا روا ہے -
یہاں کے پری رُو مرغ زیرک کو تار زلف ادا سے پھنسا لیتے ہیں - اور ایک نگاہ ناز سے خاک
پر گرا دیتے ہیں - تو کس جرأت اور دلیری سے اِدھر اُدھر پھرتا ہے - اور بادشاہوں کے محلوں
کی طرف دید بازی کرتا ہے - مگر آتش کا پرکالہ ہے - جو شمع خوں کے دل کو پگھلاتا ہے اور سنگدلوں
کے کلیجے کو موم بناتا ہے - کدھر سے آیا ہے - اور کہاں کا رہنے والا ہے - اپنے حسب و نسب
اور وطن سے آگاہ کر - تاج الملوک اس کی باتوں سے تاڑ گیا - کہ یہ کسی کی بھیجی ہوئی ہے -
بولا اے مکّو بہت باتیں نہ بنا - میرے داغ دل سے روئے نہ اٹھا - جا اپنے کسی مجروح
کے زخم پر مرہم لگا - سن میرا وطن مطلع خورشید سے زیادہ روشن ہے اور نام افسر سلاطین سے
دریافت کر لے - جس کی تو بھیجی ہوئی آئی ہے - اس سے جا کر کہدے کہ مجھ مسافر مصیبت زدہ
کی طرف خیال نہ کرے - اور مجھ سودائی کے درپے دھیان نہ دھرے - بیت - خوش جوانی ہو اسی

کے پاس جا۔ ناز اس پر کر جو خواہاں ہو تراپ مشاطہ جان گئی۔ کہ وطن اس کا مطلع خورشید۔ یعنے کہ شرقستان ہے۔ اور نام تاج الملوک عالی نسب و الاحسب ہے۔ غرض تمام حال دریافت کرکے چترا وت سے آکر بیان کیا۔ شہزادہ ہر روز پوشاک بدلتا۔ اور اس کے جھروکے کے نیچے ہوکر نکلتا۔ چترا وت اس کے فراق سے چودہویں رات کے چاند کی طرح گھٹنے لگی چند روز تو یہ راز چھپا رہا۔ آخرش کھل گیا۔ یہاں تک کہ ماں باپ نے بھی سنا۔ تب راجہ نے ایک دلالہ بڑی ہشیار پختہ کار بلوائی۔ اور شہزادہ کے پاس بھیجی۔ کہ لڑکی کی نسبت کا پیغام اس کو دے اور اس کو ہر طرح سمجھائے۔ القصہ اس نے چترسین کا پیغام شہزادے کو دیا۔ اور اس گل اندام کا حسن بیان کیا۔ اس نے تمام و کمال سن کر جواب دیا۔ کہ تو میری طرف سے بعد سلام نیاز کے راجہ کی خدمت میں عرض کردے۔ کہ جو کوئی قبائے شاہی اور تاج الملوکی اور شہنشاہی چھوڑ کر رنج و سفر اختیار کرے۔ اور خرقہ پوشی۔ اور اپنے بیگانے سے کنارہ کرے۔ اس کی پابندی کا ذرا خیال نہ کرنا فی الحقیقت پانی پر نقش جمانا ہے۔ اور ہوا میں گرہ باندھنا۔ یہ کہہ کر دلالہ کو رخصت کیا۔ دلالہ نے شہزادہ کا انکار کرنا راجہ کی خدمت میں کہہ دیا۔ چترسین اس کے اغماض کرنے سے متفکر ہوا۔ اور وزیر سے مشورت کی۔ اس نے عرض کیا کہ ایک غریب الوطن کو بادشاہ اگر مطیع کرنا چاہے تو کیا بڑی بات ہے۔ آپ دیکھیے کہ میں اسکو کس گھاٹ اتارتا ہوں۔ الغرض وہ مکار اسباب کے درپے ہوا کہ شہزادہ کو چوری کی تہمت لگا کر مجرم ٹھیرائے اور اپنا کام اسکے ہاتھ سے یوں نکالے سچ ہے جو کوئی حکمت حکیم مطلق کی گوناگوں کو تامل کی نظر سے دیکھے۔ تو کسی چیز کو شر سے خالی نہ پائے اور ہر ایک شر کے بعد خیر ملاحظہ کرے۔ اے عزیز! حق تعالےٰ نے عالم ارواح کو بدن کو رخصت دی۔ پس جو حرکت کہ بظاہر بدن سے ہو حقیقت میں روح سے ہو غرض جو کسا داس عالم میں ہو تو اس کی طرف جان لیکن شر نہ سمجھ در پردہ خیر ہے۔ کیونکہ وہاں شر کی گنجایش نہیں۔ القصہ تاج الملوک کو خرچ کی احتیاج ہوئی۔ چاہا کہ بکاؤلی سے مانگے اتنے میں وہ سانپ کا من اپنے ران میں رکھا ہوا یاد آیا۔ جراح کو بلا کر ران چرائی اور مہرہ نکال کر زخم پر لگایا۔ جب زخم اچھا ہوا بازار میں لے گیا۔ جوہری دیکھ کر سخت حیران ہوئے وزیر کو جا کر خبر دی۔ کہ ایک شخص جواہر بیچنے آیا ہے کہ ساری عمر نہیں دیکھا۔ اور بادشاہ کے سوا کوئی بھی اس کی قیمت نہیں دے سکتا ہے۔ یہ سنتے ہی وزیر نے کئی جوان اس کے ساتھ کردیئے اور اس غریب الوطن کو پکڑ بلوایا۔ دیکھا تو وہی شخص ہے فی الفور اسے چوری کی تہمت لگا کر قید کر دیا۔ اور راجہ کو یہ مژدہ سنایا۔ کہ جو پرندہ دام

کو توڑ کر اڑ گیا تھا۔ آج پکڑ کر فریب سے میں نے اسے پھر قید کیا ہے یقین ہے کہ جو آپ کہینگے وہ قبول کرے گا۔ ورنہ سزا پائے گا *

تیئیسویں داستان بیاہ ہونے میں تاج الملوک کے چتراوت سے اور کھُلنے میں دیو ہیر کی کہ جس میں بکاؤلی قید تھی۔

جب شہزادہ کو راجہ چتر سین نے قیدخانہ میں سخت تنگ کیا کہ چتراوت سے شادی قبول کرے لیکن وہ قید کی سختیاں ہرگز خاطر میں نہ لاتا تھا۔ بکاؤلی کے فراق میں دن رات چلاتا اور دیوار سے سر پٹکتا۔ ایکدن وہاں کے داروغہ نے راجہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ وہ نوگرفتار جو مانند مرغ بسمل بیقرار رات دن خاک پر لوٹتا ہے۔ اگر اسے جلد آزاد نہ کریں گے تو خون ناحق سر پہ لینگے۔ چند روز میں تڑپ تڑپ کر مرجائے گا۔ راجہ نے اسے تو کچھ جواب نہ دیا اور بیٹی کو کہلا بھیجا۔ کہ تو جاکر اپنے شمع جمال کا پرتو اسپر ڈال۔ شاید تجھ پر پروانہ وار پگھل جائے اور اسکی متاع غرور جل جائے چتراوت یہ بات سُنکر بہت خوش ہوئی۔ بہت جلد آپکو آراستہ کرکے حسن خداداد کو دوناکیا۔ پھر زیلا اور چیلہ بھی بن ٹھن کر زہرہ و مشتری کی مانند اس مہ رُو کے ساتھ ہولیں۔ غرض وہ تینوں شہزادہ کے پاس پہنچیں۔ گئی زنداں میں وہ رشک زلیخا۔ وہاں اس یوسف ثانی کو دیکھا۔ برائے نذر جو لائی تھی جو جو۔ رکھا نے الفور اسکے آگے سکو۔ وہ دنداں کیا تھے مانند گوہر عقیق لب بھی برگ گُل سے خوشتر۔ پھر ایسے سامد سیں دکھائے۔ کہ جس کی چاندنی سے چاند جائے رُخ گلرنگ کا وہ رخ دکھایا۔ چمک نے جسکی سورج کو جلایا۔ سنگھائی عطر سی بُو اپنے تن کی۔ جھک شرمندہ ہو مشک ختن کی۔ پھر انکھوں کے فندہ دکھلائے تھے بادام۔ غرض عنبر تھی زلف عنبریں فام۔ رکھا سیب ذقن پھر اسکے آگے۔ کہ اسکا بھی مزہ وہ شوخ چکھے۔ مگر رکھے انار سینہ مخفی۔ اطاعت اُسنے کی شرم و حیا کی۔ لیکن شہزادہ کی نظر قبولیت ان میں سے کسی پر نہ پڑی اور کوئی چیز اس کی نگاہ پر نہ چڑھی۔ فی الواقع اگر چتراوت کی آتش باطن تاثیر دار نہ ہوتی۔ تو پھر اس کے تحفہ ظاہری خراب ہو جاتے ساری محنت رائیگاں ہوتی۔ سُن اے عزیز رسُول مقبول نے عبادت کو بادشاہ حقیقی کی نذر کے لائق نہ دیکھا۔ عجز سے کہا کہ عبادت تیری میں نے جیسی چاہیئے تھی نہ کی۔ پھر کس کا منہ ہے۔ کہ عبادت پر نازاں ہو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ اس کی محبت خاص کا گھر بنائے *

یہانتک پگھلائے کہ اکسیر کی مانند خاک ہو جائے۔ تا شاہان اکسیر پسند کی آنکھوں میں سونے سے زیادہ نظر آئے۔ القصہ جب چتراوت نے دیکھا کہ چشم جادو اور تیغ ابرو سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ ناطاقت ہو کر شہزادے کے آگے پڑی اور تڑپنے لگی۔ یہاں تک کہ شہزادہ کے دل کو صدمہ پہنچا بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کو آغوش میں لے لیا۔ شادی قبول کی۔ کیونکہ بغیر اس کی خاطرداری اور رضامندی کے اپنی رہائی نہ دیکھی۔ زلا نے فی الفور خوشخبری راجہ کو پہنچائی کہ چتراوت گل مراد سے دامن بھر کر گھر میں آئی۔ چترسین نے فی الفور شہزادے کو بندی خانہ سے نکلوا دیا حمام میں بھیجا اور خلعت شاہانہ مرحمت فرمایا۔ پھر ایک مکان دلچسپ رہنے کو دیا۔ اور نیک ساعت دیکھ کر اپنے خاندان کی رسم کے موافق اس در ناسفتہ کو اس لعل گراں بہا کے ساتھ پرو دیا۔ پھر تاج الملوک چتراوت کے خلوتکدہ میں آیا۔ زلا اور چیلیا اپنے عہدہ پر آ کر کھڑی ہو گئیں۔ اور انہوں نے بھی گرمیاں بہت دکھائیں۔ لیکن شہزادے نے کسی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اور سر نیچے کئے بیٹھا رہا۔ جب پہر رات گذری اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بکاؤلی کے مندر کی طرف چلا۔ چند روز جو اس گرفتار بلا کو نہ دیکھا تھا۔ اپنا سر دے دے مارتی تھی۔ اتنے میں شہزادہ جا پہنچا۔ دیکھتے ہی شاد ہو گئی۔ اور سنبھل بیٹھی۔ لیکن ہاتھ پاؤں کی مہندی دیکھ کر اس رشک چمن کا منہ غصہ سے لال ہو گیا دل کو صدمہ کمال ہوا۔ طاقت خموشی کی جاتی رہی۔ بولی واہ شہزادے اتنے دنوں کے بعد آئے مگر خوب رنگ لائے۔ عاشقوں کا نام ڈبویا۔ اور عشق کو بھی داغ لگایا۔ زنہار اب عاشقی کا دم نہ بھرنا۔ اور خبردار اپنا عشق کسی سے ظاہر نہ کرنا۔ شنوے

اے سنگدل تو نے یہ کیا کیا۔ مگر انصاف ہے تو دل میں فدا۔ مرا جسم گلرنگ ہوئے گا سنگ۔ حنا کا ہو تیرے ہاتھوں نہ رنگ میں پتھر کی ہو کر رہوں یاں پڑی۔ کرے عیش تو غیر سے ہر گھڑی میرا غنچہ دل یہاں داغ کھائے۔ وہاں وہ نگل کو گلے تو لگائے عجب ہے کہ معشوق غم سے جلے۔ شب و روز وصل تا سقف ملے۔ وہ عاشق ہو کر دو ہو مین چاہئیں۔ وہ ماتم زدہ ہو یہ شادی رچائیں منہ بے نام ملیست کا اے بدگہر۔ پڑیں پتھر ایسی تیری چاہ پر۔ اٹھے رد غم کی تہ میلی شگ کہ سے عیش تو حسن تاج الملوک جو بخشش کی ماں تو کو اسنے سنا۔ لگا بید ساکانپنے سر دھنا۔ کہا ہو ترا کس طرف آج دھیان۔ خیال ایسا دل میں نہ لا میری جان اگرچہ ہوں شہزادہ نامدار۔ مگر ہوں ترا بندہ جاں نثار۔ بلاشبہ ہوں مالک تخت و جاہ۔ پہ تیرا ہوں مملوک سادار شک ماہ مرا گوشت اور پوست ہے سب ترا۔ ترے ہاتھ سے میں بک چکا۔ یہ جلوہ نے دیوانہ مجھ کو کیا۔ کہ اپنے سے بیگانہ مجھ کو کیا یہ دلکو حسینوں سے بھائی ہے تو۔ ان آنکھوں میں جب سے سمائی ہے تو جبھی سے کوئی چیز بھاتی نہیں۔ نظر میں کوئی شئے سماتی نہیں بھلا دل کے سامنے نہیں چاند کا تصدق ہے تجھ پر سے یہ دل میرا۔ سوا تیرے کس پہ ہے اے دلربا۔ یہ عاشق ترا ہو دیگا مبتلا

نہیں اور تجھ سی کوئی دوسری۔ پرے لاکھ گلبدن بھلا اب گری۔ نہ مجھ سے کبھی ہو جیو بدگمان۔ میں عاشق بدل ہوں ترا میری جان
یہ کیا دخل ہے حکم سے جو پھیروں۔ جو فرماؤ فوراً تنور میں گروں۔ تعلق نہیں اور کیسا تجھے ہے۔ میرا مرنا جینا تیرے ہاتھ ہے
مگر کیا کروں سخت لاچار تھا۔ بڑی قید میں میں گرفتار تھا۔ مجھے خواہش کدخدائی نہ تھی۔ مگر بے کئے بھی رہائی نہ تھی
نہ کرتا جو اس کام کو میں بھلا۔ تو اگر تجھے کس طرح دیکھتا۔ میں اس قید خانہ میں مرتا ادھر۔ تو اس تنگدستی میں پڑتی ادھر
پہنچتی نہ میری خبر تجھ تلک۔ نہ حالت تیرے درد کی مجھ تلک۔ فقط اپنی ہی دیکھتا جو ضرر۔ تو کرتا نہ یہ بات اے سیمبر
مجھے اپنا جی ایسا پیارا نہ تھا۔ مگر تیرا انفصال گوارا نہ تھا۔ یقیں تھا مجھے تو لگو اسبات کا۔ جئے گی نہ تو بھی جو میں مر گیا
اسی ڈر سے یہ امر میں نے کیا۔ جب مجھے ورنہ شادی سے کیا کام تھا۔ پری نے یہ سنکر غضب سے کہا۔ بھلا جھوٹ اتنا ہے کیوں بولتا
کوئی بیاہ کرتا نہیں قہر سے۔ حذر چاہیے گا میر جبر سے۔ وفا اور محبت تیری دیکھ لی۔ یہ دو دن کی چاہت تیری دیکھ لی
تجھے عیش و عشرت مبارک رہے۔ مجھے ننگ و زحمت مبارک کرے تجھے مجھ سے اس حال میں کام کیا۔ مجھ سے وقت کا کون ہے خیر خواہ
سنا اس طرح کا جو اس نے کلام۔ لیا دونوں ہاتھوں سے دل اپنا تھام۔ دم سرد بھر بھر کے رونے لگا۔ دل و جاں کو ہاتھوں سے کھونے لگا
پری نے جو دیکھا اسے اشکبار۔ لگی آپ بھی رونے بے اختیار۔ یہ حالت بڑی دیر طاری رہی۔ کہ دونو طرف اشکباری رہی
پھر آخر کو وہ عاشق بے قرار۔ گرا اسکے قدموں پہ بے اختیار۔ پری بھی تحمل نہ کچھ کر سکی۔ اٹھا کر سر اسکا گلے لگ رہی
کہ میں تجھ سے دلگیر نہیں کچھ خفا۔ یہ شکوہ فقط تھا زبانی میرا۔ ہے منظور بس مجھکو تیری خوشی۔ خفا ہونیوالی ہیں صدقے گئی
وہی مصلحت تھی جو تم نے کہا۔ میں عورت کی آخر عقل ہے کیا۔ ہوا تجھ سے جو کچھ وہ مجھ کو قبول۔ نہ ہو تو ذرا اپنے دل میں ملول

ہزاروں ہوں گلرو اگر تیرے پاس۔ تو ہے جان و دل سے مگر میرے پاس

القصہ اسی طرح آپس میں کلام رہی۔ ادھر سے ناز تھا تو اس طرف سے نیاز تھا۔ القصہ شہزادہ نے اپنے قید ہونے کا اور چتراوت سے شادی کرنے کا ماجرا سارا بیان کیا۔ اور اس آئینہ رو کے دل سے غبار کدورت کو دھو دیا۔ اتنے میں صبح نمود ہوئی۔ تاج الملوک گھر گیا۔ اور چتراوت کے پلنگ پر سو رہا۔ اسی طرح بلاناغہ ہر شب بکاؤلی کے پاس جاتا اور تمام دن چتراوت کے ساتھ نقل و حکایات میں کاٹتا تھا۔ وہ شہزادہ کی ایسی حرکات سے حیران تھی۔ اور اپنے دل میں کہتی تھی۔ یا الٰہی طرفہ ماجرا ہے۔ کہ باوجود اس قرب کے میرے دل کی آگ شہزادہ کے پنبہ دل کو سلگاتی ہے۔ اور اس کے خرمن تحمل کو جلاتی نہیں۔ تعجب کہ یہ دل دلارام ایک گھر میں ہیں اور تفاوت پورب پچھم کا سا ہے۔ اے عزیز جب تک تیرے دل کی آنکھیں اغیار کے حسن کو دیکھنے والی ہیں۔ تجھے یار کی صورت نظر نہیں آتی۔ ہر چند بے پردہ ہے۔ پہلے خار رغبت کو دل کی سرزمین سے پھینک دے۔ پھر گل رخسار یار کو آئینہ دل میں دیکھ لے۔ اگر تو اپنے گلشن وجود کو بہ نظر تامل دیکھے تو ان میں رنگ و بو کے سوا

کچھ نہ پایا۔ القصہ ایک دن چترا وت نے شہزادہ کا گلہ اپنے باپ سے کیا۔ اور اسکی بے التفاتی کا سارا حال بیان کیا۔ یہ تمام قصہ راجہ نے سنکر کئی جاسوس شہزادہ کے پیچھے لگائے تاکہ اس بات کو بہت جلد تحقیق کریں۔ کہ یہ تمام رات کہاں رہتا ہے وہ جاسوس اسی تلاش میں تھے۔ کہ اسی وقت یہ پھر گھر سے نکلا۔ اور اسی مندر میں گیا۔ رات بھر رہا۔ صبح ہوتے پھر محل میں داخل ہوا۔ فوراً انہوں نے راجہ سے عرض کی کہ شہزادہ فلانے مندر میں تمام رات رہتا ہے۔ اس سیاہ دل نے یہ سنکر کئی سنگتراش چالاک سست اسی وقت بھیجے۔ کہ اس کو اسی وقت کھود کر پھینک دیں۔ انہوں نے بموجب حکم راجہ کے فوراً اس مندر کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر ڈال دیا۔ شہزادہ جو اپنی عادت کے موافق وہاں گیا۔ تو اس کا نشان نہ پایا۔ دیوانوں کی مانند وہاں کی خاک پر لوٹنے لگا اور یہ رباعی پڑھنے لگا۔ رباعی۔ ایجان اگر کھوج تیرا پاؤں میں۔ مرمر کے آپ کو وہاں پہنچاؤں میں۔ کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ کروں کیا اسے کاش۔ پھٹ جائے زمین اور سما جاؤں میں۔ آخر نا امید ہو کر ڈاڑیں مار کر رو دیا۔ اور پھر آیا۔ چند روز تو اس بے قراری کی لذت اور آہ و زاری کی کثرت رہی۔ جب اس صنم کے وصل سے مایوس ہوا رونے کا بھی حاصل نہ دیکھا۔ چترا وت کی جادو بھری باتوں پر دھیان کیا۔ غرض نسیم وادا نے غنچہ امید کو شگفتگی بخشی اور وصال و امداد سے صدف آرزو کو پر کیا ٭

بیسویں داستان بکاؤلی کے پیدا ہونیکی ایک کسان کے گھر میں اور شہزادہ اور چترا وت کے ملنے میں اور پہنچنے میں ملک نگارین کو

کہتے ہیں کہ بتخانہ کی زمین کو ایک کسان نے جوتا اور وہاں سرسوں بوئی۔ شہزادہ کبھی کبھی اس کی سبزی کو دیکھنے جاتا۔ اور اپنے دل بیقرار کو سبزی سے تسکین دیتا تھا۔ جب وہ پھولی اور اسنے بہار پیدا کی۔ تب شہزادہ دونوں وقت وہاں جانے لگا۔ اور یہ رباعی پڑھنے لگا:۔

؎ کیا رنگ تمہارا ہے کہو تو پھولو۔ آتی ہے مجھے عشق کی اس رنگ سے بو۔ نکلے ہو زمین سے اسلئے پوچھتا ہوں۔ گر وے بھی کچھ خبر رکھتے ہو ٭ القصہ وہ کھیت پکا۔ اور کسان نے کاٹ کر اس کا تیل نکالا۔ از بسکہ کسانوں کے یہ ملن ہیں۔ کہ جو چیز کھیت میں اگتی ہے اس کو پہلے آپ کھاتے ہیں۔ اسلئے وہ اسکی جورو کے کھانے میں آیا۔ باوجودیکہ وہ بانجھ تھی۔ خدا کی قدرت کاملہ سے حاملہ ہوئی۔ اور نو مہینے بعد لڑکی پری پیکر جنی۔ چونکہ کسان کا گھر اندھیرا

بے چراغ تھا۔ اس شمع کے پرتو سے روشن ہو گیا۔ ہر طرف دھوم پڑی۔ کہ ایک بانجھ کے گھر سرسوں
کے تیل کی تاثیر سے ایک لڑکی نہائیت حسین پیدا ہوئی۔ کہ اسکے حسن کی تعریف تقریر و تحریر سے باہر
ہے۔ اس کے منہ کی چمک نے چودہویں رات کے چاند کو ماند کر دیا۔ جب چودہ برس کی یہ ہوگی
تو سورج کو بھی داغ دے گی۔ رفتہ رفتہ یہ بات تاج الملوک کے کان تک پہنچی۔ جانا کہ یہ تاثیر
اسی سرسوں کی ہے۔ کسان کو اس کی بیٹی سمیت بلوا بھیجا۔ جونہی نظر اسکی لڑکی پر پڑی۔ اس
کی شکل اپنی معشوقہ کے مطابق پائی۔ تب نہائیت شاد ہوا۔ سمجھا کہ یہاں اس نے جنم لیا ہے
بہت سے روپے اس کسان کو دے کر رخصت کیا۔ اس لڑکی کی بخوبی پرورش کر۔ جب وہ
سات برس کی ہوئی۔ ہر طرف سے اس لڑکی کے شادی کے پیغام آنے لگے۔ لیکن وہ اس
اندیشہ سے کہ شہزادہ نے اس لڑکی کی پرورش کے واسطے تاکید شدید کی تھی۔ خدا جانے آگے
اسے کیا منظور ہے۔ مبادا میری جان پر نہ آ بنے۔ اس خیال سے اس نے سب کو جواب دیا
اور بہانہ یہ کر دیا تھا کہ جب وہ سیانی ہوگی۔ تو جسے وہ پسند کرے گی۔ اسکے ساتھ بیاہ دونگا
قصہ مختصر جب اس نے دسویں برس میں پاؤں رکھا۔ تاج الملوک نے اس دہقان کے
پاس ایک مشاطہ کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ کہ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دے۔ یہ سنکر وہ
بچارا کانپنے لگا۔ کہ مجھ غریب کا منہ کہاں کہ بادشاہ کے داماد کو اپنا داماد کروں۔ اس کا آخر یہی
پھل ہوگا۔ کہ میری بیٹی لونڈی ہو کر رہے گی۔ ہزار حیف۔ ایسی مہا سندر کو راجہ کی بیٹی کی
چیری بناؤں۔ اور اس کے آگے اس سے کمواؤں۔ یہ سنکر لڑکی نے کہا۔ بابا میرا نام بکاؤلی
ہے۔ میں پری ہوں۔ تم ایسے اندیشے نہ کرو۔ سب طرح خاطر جمع رکھو۔ کچھ شبہ نہیں۔ کہ
گل رنگین کی جگہ آخر سر پر ہے۔ اور دُرِ بے بہا کا مکان شاہوں کا افسر ہے۔ تم شہزادہ سے
کہلا بھیجو۔ کہ چندے اور بھی توقف کرے۔ کسان بچارا چپ ہو رہا۔ مشاطہ نے آکر سب ماجرا
حضور میں عرض کیا۔ تاج الملوک سنتے ہی مارے خوشی کے پھولا نہ سمایا۔ سارا غم و الم بھول گیا
اور اس کو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔ جب بکاؤلی کے نحوست کے دن آخر ہوئے
سینکڑوں پریاں چاروں طرف سے وہاں آئیں اور سمن و پری بھی لباس پر تکلف و رجواہرات
بیش قیمت مع تخت زریں آکر حاضر ہوئیں۔ شہزادی نے کپڑے بدلے۔ گہنا پہنا۔ جب بن ٹھن
چکی ماں باپ سے کہا۔ میں اتنے دنوں تمہارے گھر مہمان تھی۔ اب رخصت ہوتی ہوں۔ باپ
کا ہاتھ پکڑ کے اسکے مکان کے پچھواڑے لے گئی۔ اور اشرفیوں کا دیگچہ کسی زمانہ کا گڑا ہوا

تھا۔ بتادیا کہ اس کو نکال کر خرچ میں لاؤ۔ پھر رخصت ہوئی۔ اور تخت پر سوار ہو بیٹھی۔ پریاں فی الفور
اس کو اٹھاکر لے اڑیں۔ اور جس جگہ تاج الملوک اور چتراوت۔ نرملا اور چلیہ کو لئے بیٹھا تھا۔ آکر
اُتری۔ بکاؤلی نے سب کو وہیں چھوڑا۔ آپ اکیلی اندر گئی۔ اور مسند سے دب کر بیٹھی۔ پھر پری
نے تمام سرگذشت از اوّل تا آخر شہزادے سے کہی۔ اور اس کی سنی۔ پھر چتراوت سے کہا۔
اگر شہزادہ کی رفاقت منظور ہو۔ تو بسم اللہ اٹھ کھڑی ہو۔ وہ بھی تمہارا گھر ہے۔ کچھ اندیشہ نہ کرو۔
چتراوت نے کہا۔ کہ میری جان شہزادہ کے ساتھ ہے۔ پھر اس جسم خاکی کو کیونکر رکھ سکونگی۔
بدل وجان حاضر ہوں۔ اسی وقت بکاؤلی نے اشارہ کیا کہ تم ظاہر ہو۔ نقل کرتے ہیں۔ کہ چپہ
بھر زمین سنگلدیپ کی پریوں سے خالی نہ رہی۔ شہر میں دہوم پڑگئی۔ لوگ گھبرائے۔ یہانتک
کہ راجہ گھبرا کر بیٹی کے محل کی طرف دوڑ آیا۔ اس کو دیکھتے ہی شہزادہ استقبال کے
واسطے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چند قدم آگے بڑھا۔ اور اپنی مسند پر بٹھایا۔ پھر اپنا اور بکاؤلی
کا احوال مفصل طور سے کہہ سنایا۔ وہ پہلے تو بہت ساکت رہا۔ پھر نہایت خوش ہوا۔ اور
چتراوت کا ہاتھ پکڑ کر بکاؤلی کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا کہ یہ میری اکلوتی بیٹی ہے تیری
پرستاری کے واسطے دیتا ہوں۔ اس توقع پر۔ کہ اس پر نظر شفقت رکھیں۔ اپنی خادمہ
جان کر۔ یہ کہہ کر ان سب کو رخصت کیا۔ تاج الملوک تخت پر سوار ہوا۔ بکاؤلی اور چتراوت
دائیں بائیں بیٹھیں۔ اور نرملا اور چلیہ ادب سے سامنے کھڑی رہیں۔ پھر پریاں تخت
کو لے کر اڑیں۔ بات کی بات میں تاج الملوک کی ڈیوڑھی میں لاکر رکھ دیا۔ اور بکاؤلی اور
چتراوت جو اندر گئیں۔ زین الملوک کے وزیر کا بیٹا بہرام نام کہ ملک نگارین اور باغ قصر کا
ملاقہ اسی کا تھا۔ نذر لے کر دوڑا آیا۔ آداب بجا کر اپنا نام ونشان بتایا۔ تاج الملوک
نے اس پر بہت نوازش فرمائی۔ نذر لی۔ خلعت دی۔ پھر دولت خانہ میں داخل ہوئے
دلبر اور محمودہ دیکھتے ہی شہزادہ کو نہایت شاد ہوئیں۔ پھر وہ چتراوت اور بکاؤلی
سے خوشی خوشی ملیں ؛

پچیسویں داستان تاج الملوک کے نامہ لکھنے میں فیروزشاہ اور مظفر شاہ اور اپنے باپ کو اور انکے آنے میں تاج الملوک کی ملاقات کو اور روح افزا پہ عاشق ہونا بہرام کا

مصور نگارستان اس عشق کی داستان کی تصویر صفحہ کاغذ پر یوں کھینچتا ہے۔ کہ تاج الملوک نے فیروزشاہ مظفر شاہ اور زین الملوک کو مژدہ اپنے پہنچنے کا لکھ بھیجا۔ اسکو پڑھ کر ہر ایک کا دل تر و تازہ ہوا۔ چنانچہ فیروزشاہ نے معہ جمیلہ خاتون بڑی جاہ و حشمت سے ملک شہرستان کی طرف کوچ کیا۔ اور مظفر شاہ حسن آرا۔ اور روح افزا کو ساتھ لے کر اسی تجمل سے روانہ ہوا اور زین الملوک بھی خاص محل کو لے کر بڑے کروفر اور فوج و لشکر ہمراہ لے کر چلا۔ غرض تھوڑے دنوں میں ملک نگارین میں آ پہنچے۔ اور اس کے گرد و نواح میں انسان اور پریزاد کی ایسی کثرت ہوئی۔ کہ تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ سارے شہزادہ اور بکاؤلی کے دیدار سے مسرور ہوئے۔ اور ہر ایک کے دل سے رنج و الم دور ہوئے۔ تین روز تک جشن رہا۔ ناچ رنگ دن رات ہوتا رہا۔ چوتھے روز ہر ایک شاد و خرم ہو کر رخصت ہوا۔ اور اپنے اپنے ملک کو روانہ ہوا۔ مگر بکاؤلی نے روح افزا کو نہ چھوڑا۔ کہ چندے اور بھی اس کی صحبت سے حظِ زندگی اٹھائے۔ اور ایام جدائی کی سختیاں دل سے بھلائے۔ عقیق کا دالان اس کی خوابگاہ کے واسطے مقرر کیا۔ وہ پری پیکر حور سرشت کے ساتھ پہر رات تک سرگرم گفتگو رہتی۔ پھر خوابگاہ میں جاکر سو جاتے تھے۔ ایک رات کی نقل ہے۔ کہ روح افزا کی چوٹی سوتے میں کھڑکی کے باہر جا پڑی تھی۔ اسکے موباف میں ایک گوہر شب چراغ چمک رہا تھا۔ بہرام بھی اسی وقت چاندنی کی سیر کرتا ہوا۔ ادھر آ نکلا۔ جبکہ اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ تو سمجھا کہ کالا اپنا من لئے اوپر چڑھا جاتا ہے۔ پھر غور سے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی کی چوٹی میں لعل چمکتا ہے۔ جی میں سوچا کہ شاید بکاؤلی یہاں سوتی ہو۔ اور اس کی چوٹی لٹک پڑی ہے۔ لیکن دل ان کا تمام رات پیچ و تاب کھاتا رہا۔ آخر رہ نہ سکا۔ صبح کو سمن دری سے پوچھا کہ فلاں مکان میں کون سوتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ روح افزا کی خوابگاہ ہے۔ یہ سنتے ہی

اسکے عشق کا سودا بہرام کے دل میں پیدا ہؤا۔ اور اس کی زنجیر زلف ڈھونڈنے لگا۔ چنانچہ دوسرے دن آدھی رات کے وقت کمند لگا کہ اس مکان میں جا اترا۔ اور دالان کے اندر وہ بےتابانہ چلا گیا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ وہ رشک زہرا ایک سونے کے پلنگ پر نازسے سوتی ہے۔ یہ کیفیت اس کی دیکھ کر دیوانوں کی مانند ہوگیا۔ چونکہ اس نے ایسی شراب کا ذائقہ کبھی نہ چکھا تھا۔ اس کا نشہ سنبھال نہ سکا۔ بدمستوں کی طرح اس پری سے ہم آغوش ہوکر چھلیاں لینے لگا۔ فوراً اسکی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ بہرام ہے۔ اگرچہ اس کا عاشق اس کے شیشۂ دل کو چور کر چکا تھا۔ لیکن اتنی چالاکی اور بیباکی اسکی طبع نازک کو خوش نہ آئی۔ بہت جھنجلائی۔ اور آخرش طمانچہ مار کر ایسا دھکا دیا۔ کہ کھڑکی سے نیچے گر پڑا۔ اور زار زار روتا ہؤا اپنے گھر چلا گیا۔ صبح ہوتے ہی روح افزا نے بکاؤلی سے رخصت مانگی۔ اس نے ہرچند منت سماجت کی کہ چند روز اور بھی رہو۔ لیکن روح افزا نے نہ مانا اور اسواسطے کہ اگر رات کی بات ظاہر ہوگئی تو بکاؤلی مجھے ہنسی میں لے گی اور چھیڑیگی آخرش نہ ٹھیری۔ اور جزیرہ فردوس کی راہ لی۔ لیکن بہرام کے عشق سے دن کو چین سے نہ بیٹھتی تھی اور رات کو ایکدم آرام سے نہ سوتی تھی۔ بلکہ اکثر اوقات شمع فانوس کی مانند روتی تھی اور ساعت بساعت سموم غم سے مرجھائی جاتی تھی۔ اور اپنی نرگس مخمور سے آنسو گھڑی گھڑی بھر لاتی تھی۔ سچ ہے کہ جو کوئی دیدۂ غور سے ملاحظہ کرے تو عشق کی مینائی معشوق میں زیادہ دیکھے۔ یہ وہ گروہ ہے۔ کہ کبھی کے گلے میں کمند عشق ڈال کر دور سے اپنے حضور میں کھینچ لے اور کبھی کو طاخن ہجر سے دور پھینک دے ؀

چھبیسویں داستان بہرام کی جزیرۂ فردوس میں پہنچنے کی سمنرو پری کی مدد سے اور روح افزا کے ملنے میں بنفشہ کی توجہ سے

کہتے ہیں کہ بہرام روح افزا کے فراق میں یہانتک نحیف ہؤا کہ دبلاپے سے آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ اسبات کی سمنرو کے سوا اور کسی کو خبر نہ تھی۔ چنانچہ وہ مدام اس کو نصیحت کرتی کہ اے بہرام اس خیال سے درگزر کر اور دل سے یہ اندیشۂ فاسد دور کر۔ کیونکہ غیر جنس کا شجر محبت سوائے فراق ثمر کچھ نہیں دیتا۔ خاک میں ملے ایسی دوستی۔ جس سے ہمیشہ خرابی اور اضطرابی جی کو رہے۔ اور ناحق ایک بے پرواہ کے پیچھے دکھ اور درد سہے۔ تو تاج الملوک کی بات پر نہ جا کہ نادر ہے یہ اتفاق ہے کہ بکاؤلی کی طبیعت اسپر آگئی۔ وا لا آدمی اور پری میں کیا مناسبت لطیف، اور

کثیف میں ملاقات کی کون صورت لیکن بہرام چپکا سنا کرتا۔ کچھ نہ جواب دیتا تھا۔ مگر یہ بیت پڑھتا تھا۔
بیت۔ نصیحت کرتی ہو ناحق تم اپنی۔ نہیں جاتے کی زنگی کی سیاہی ۔ جب سمنرو نے دیکھا۔ کہ
خارِ عشق بہرام کے جگر میں ایسا چبھا ہے۔ کہ اس کا نکلنا بہت دشوار ہے۔ تب کہا اے
خود فراموش اس ہم میں مجھ سے تیری امداد اور تو کچھ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر تو کہے۔ تو جزیرۂ فردوس
میں تجھے پہنچادوں۔ پھر آگے تیری قسمت ہے۔ وہ اس بات پر بخوبی راضی ہوا۔ تب سمنرو
نے اسے زنانے گہنے کپڑے جس قدر کہ مناسب تھا پہنائے۔ بہرام مرد تھا۔ ہو بہو ایک
عورت پری پیکر بن کر چلا۔ اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر جزیرۂ فردوس کو لے اُڑی۔ اور اپنی
منہ بولی بہن کے گھر میں کہ اس کا نام بنفشہ تھا۔ اور وہی مشاطہ روح افزا کی تھی۔ جا کر اتری بنفشہ
سمنرو کے آنے سے نہایت مسرور ہوئی۔ اور پوچھنے لگی۔ کہ یہ نوجوان لڑکی تمہارے
ساتھ کون ہے۔ سمنرو نے کہا کہ بوا یہ میری دینی بہن ہے۔ اس کا جی اس سرزمین کی سیر
کو بہت چاہتا تھا۔ اسواسطے میں تمہارے پاس لائی ہوں۔ کہ اسے خوب طرح سیر کراؤ اور
تماشے دکھاؤ۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ آنکھوں سے۔ پھر سمنرو رخصت ہو کر بکاولی کے پاس
آئی۔ اور بہرام بنفشہ کے گھر میں رہا۔ وہ اسے دنیا کی نعمتیں کھلاتی تھی۔ اور شفقت اور مہر سے
دن کو ہر ایک باغ میں لے جاتی تھی۔ اور شام کے وقت اپنے گھر آتی تھی۔ اسی ہی طرح چند
روز گذرے۔ ایک روز بنفشہ کہیں گئی تھی۔ اس وقت جو بہرام نے گھر خالی پایا۔ تو اس کی
مشاطگی کے اسباب میں سے آئینہ نکال کر۔ اس کی پشت پر یہ شعر لکھا۔ اور اسی جگہ رکھ دیا۔
شعر۔ روشن نہ تھا یہ کچھ رخِ نیکوئی آئینہ۔ چمکائے تیرے عکس سے کیا روئے آئینہ
مشاطہ آئینہ کو تیرے آگے آگے سنبھالتی تھی جو کھینچ کے نا نوئے آئینہ۔ غیرت یہ
کہتی تھی کہ اسے چور کیجیئے۔ کیوں دیکھا تو نے جانِ جہاں روئے آئینہ۔ سنگھ جو تجھ سے
ہوئے طور سے یہی۔ نظروں سے گر پڑے رخ دلجوئے آئینہ۔ آئینہ ایک دم نہ ٹھہر تا تیرے
حضور۔ باندھا ہے عکس زلف نے بازوئے آئینہ۔ الغرض بنفشہ اپنے وقت معمولی پر متعاوہ اور
سنگار دانی لے کر روح افزا کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ پھر کنگھی چوٹی کر کے آئینہ جو اس کے
ہاتھ میں دیا۔ شہزادی کی نظر جو اس پر پڑی۔ پشت کا نوشتہ دیکھا۔ اور اس کو پڑھ کر معلوم کیا۔ کہ
ہر چند راقم اس کا بہرام کے سوا دوسرا کوئی نہیں۔ لیکن اس بات کو اس طرح دریافت کیجیے
کہ اس کے آنے کا یقین ہو جائے۔ اور دغدغہ دل میں نہ رہے۔ تب مشاطہ سے

یوں مخاطب ہوئی۔ اے بنفشہ جو چیز ہمیشہ ہے وہ کیا ہے۔ اور وہ شے جو مدام غم کے ساتھ ہے کون شے ہے۔ اس نے ہر چند غور کیا۔ لیکن جواب معقول نہ سوجھا۔ عرض کرنے لگی۔ اس کا جواب لونڈی کل دے گی۔ اسوقت معاف کیجئے۔ یہ کہہ کر گھر آئی۔ مگر اس پہیلی کے پوچھنے میں نہایت متفکر تھی۔ بہرام نے اس کی صورت جو گھبرائی ہوئی دیکھی۔ پوچھا۔ تو آج اتنی کس لئے بدحواس ہے۔ بنفشہ نے سوال روح افزا کا اسکے سامنے بیان کیا۔ اور کہا مجھ کو اسکے جواب میں کچھ سوجھتا نہیں۔ یعنی اس حکیم مطلق کا دوام ہے اور شادی غم سے وابستہ مدام ہے بہرام نے یہ سنکر کہا۔ اس سوال کا یہ جواب ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ جواب ہے کہ جس عاشق کے منہ پر معشوق کے ہاتھ کے طمانچے لگتے ہیں وہ ہمیشہ سرخرو ہے اور مدام ناخوشی سے تلخ کام وہ ہے کہ میں کا محبوب ہے۔ اور وہ ہر ایک چیز کو اپنا محبوب سمجھتا ہے۔ نقل مشہور ہے۔ کہ مجنوں سے پوچھا کہ خلافت پیغمبر کے بعد خلفائے راشدین کے حق کس کا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ لیلےٰ کا۔ القصہ بنفشہ نے اس کا دیا ہوا جواب روح افزا کے حضور میں عرض کیا۔ وہ سنتے ہی۔ اسکو بہرام کے آنے کا یقین ہوگیا۔ اور پوچھنے لگی بنفشہ سچ کہہ یہ جواب کس نے دیا ہے۔ اس نے ہر چند کہا کہ سبز پری اپنے منہ بولی بہن کو اس سرزمین کی سیر کے واسطے میرے گھر میں چھوڑ گئی ہے۔ اس نے مجھے یہ جواب سکھایا ہے۔ روح افزا نے کہا کہ اس کو ہمارے روبرو کبھی نہ لائی۔ بھلا آج اپنے ساتھ لے آئیو۔ ذرا میں بھی اسکو دیکھ لوں۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اس کی اور میری محبت ہے۔ اور چنانچہ شام کے وقت بہرام کو پہنا اوڑھا کر اپنے ہمراہ لے گئی۔ روح افزا نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ کہ بہرام ہے۔ لیکن اغماض کیا اور کچھ متوجہ نہ ہوئی۔ وہ سمجھا کہ اس نے اب تک مجھے نہیں پہچانا۔ شاید آئینے کی پشت نہیں دیکھی۔ اور میرا لکھا ہوا ملاحظہ نہیں کیا۔ القصہ جب بنفشہ چوٹی گوندھ چکی۔ تو شہزادی نے آئینہ مانگا۔ بہرام نے جلدی سے اٹھا کر پشت کی طرف سے اسے دکھایا۔ وہ غنچہ دہن بے اختیار کھکھلا کر ہنس پڑی۔ اور بنفشہ سے کہنے لگی۔ کہ اے بنفشہ تمہاری بہن نہایت کورہ ہے۔ کہ اب تک آرسی کی پشت اور رو نہیں جانتی۔ آج کی رات اسے یہاں چھوڑ جاؤ۔ ہم اس کے ساتھ ہنسیں۔ بولیں اور چہلیں کریں گے۔ اس نے عرض کی یہ میری عین خوشی ہے۔ اس کے واسطے تو یہ سراسر سرافرازی ہے۔ یہ کہہ کر وہ تو اپنے گھر آئی۔ اور یہ دلآرام کے خلوت خانہ میں رہا۔ اے عزیز! اگر بہرام زنانہ لباس نہ پہنتا۔ تو اس معشوق سے اتنے عرصے میں ہرگز

نہ تھا۔ اور اپنے مطلب کو اتنا جلد نہ پہنچتا۔ فی الواقعہ۔ جو عاشق کہ اپنے معشوق کا رنگ پکڑتا ہے
وہ خود اس کا معشوق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی۔ اسی وضع
کا کلام فرمایا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے۔ کہ فضائل خدا کی پیروی کرو۔ تاکہ قربت اس سے
حاصل ہو۔ اور جب امور عالم کے انتظام دینے والوں نے نقاب ظلماتی سے چہرہ روز
کو چھپایا اور چادر مہتاب کا فرش نورانی سطح زمین پر بچھایا۔ روح افزا پریوں کی مجلس
سے اٹھ کر خلوت خانہ میں آئی۔ اور بہرام کو اکیلے لے کر بیٹھی۔ اس آشنا نے صورت نے
اجنبیوں کی طرح سے سر رشتہ سخن نکالا۔ کہ کہو بی بی کیا نام ہے تمہارا۔ اس نے کہا کہ
کوچہ ننگ و نام تو مجھ سے کبھی کا چھوٹ چکا ہے۔ تیرے نام کے سوا کچھ یاد نہیں۔ تب
پری نے کہا۔ کہ بتلا تو یہاں کس واسطے آئی۔ جواب دیا کہ پروانے کے آنے کا سبب
شمع شبستان پر بخوبی روشن ہے۔ اس سے پوچھا چاہیئے۔ بہرام کی میٹھی میٹھی باتوں سے
محفوظ تو ہوئی۔ لیکن ظاہر میں ترش رو ہو کر بولی۔ اے مکار ہائی۔ عیارنی تیری باتوں
سے میں نے سمجھا۔ کہ تو عورت نہیں ہے۔ بلکہ مرد ہے۔ یہ بھبل نکال کر تو یہاں در آمد ہوا
میرے ناموس کو برباد کیا۔ دیکھ تو اس دلیری کی تجھے کیسی سزا دیتی ہوں۔ اور اس
ڈھٹائی کا بدلہ کیسا لیتی ہوں۔ وہ ناکردہ کار۔ نیش اور ریخ اور حلاوت سے بالکل ہی ناآشنا
تھا۔ اور ناز و نیاز کے بھید اس پر آگے نہ کھلے تھے۔ اور اس کے علاوہ طمانچوں کا صدمہ
آگے پا چکا تھا۔ وہ ان ناز کی باتوں کو سچ سمجھا۔ اسے کامل یقین ہو گیا۔ کہ اب تھپیڑ
مار کھاؤں گا اور نکالا جاؤں گا۔ ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ اور اس شعر کو پڑھ کر
بےہوش ہو گیا۔ شعر۔ گر قتل کرے تو مجھے آگے مرنا بہتر کہ نہ دور زندگانی ؏

پھر تو پری رو سہم گئی۔ کہ مبادا اس ڈر سے اس کی جان پر آبنے۔ اور جیسا کار دل
میں سوچا تھا ہو جائے۔ بے اختیار دوڑ پڑی۔ اور سر اس کا اپنے زانو پر رکھ کر رخ گلفام
کی تو بیاں تک سمجھائی۔ کہ اس غافل کو ہوش میں لائی۔

اے عزیز! اگر اپنی عقل کو ذرا حکمتوں سے زیادہ چمکائے گا۔ تو تجلی یار سے فائدہ نہ
اٹھائے گا۔ اگر تو یہ ہستی موہوم نہ چھوڑے۔ تو حیات ابدی کب تک تیرے پاس آئے جو
کہ راہ عشق میں آپ سے نہ گذرا۔ وہ منزل مقصود پر کب پہنچا۔ القصہ بہرام نے جو آنکھ کھولی تو
اپنا سر تنبہ رشک گل دیکھا۔ اور محبوبہ کا دل مثل بلبل۔ اور سے خوشی کے پھول گیا۔ اور اگلی پچھلی باتوں

بھول گیا۔ پھر تو بے کھٹکے اپنے ہونٹ رشک گلبرگ سے۔ اور اس کا دہن کہ غیرت یاسمن تھا
ملا۔ اور خوب ہی مزے اڑائے۔ ازبسکہ وہ گل پیرہن بھی اشتیاق میں بھری ہوئی تھی۔ آپ کو
روک نہ سکی۔ گٹھڑی ہو گئی۔ آخر نسیم نے گل کو پھول بنایا۔ اور آپس میں نئی طرح کا لطف اٹھایا۔ اور
روح افزا کا یہ جی لگا۔ کہ ایک ساعت اس سے جدا ہونا دشوار تھا۔ پھر یہ ارادہ کیا۔ کہ اسی کو
حرز جان کی طرح گلے سے لگائے رکھے۔ مگر دشمنوں کی نظر سے بچائے رکھے۔ آخرکار ایک
طلسم اس کے گلے میں باندھا۔ اور قمری بنا کر ایک سونے کے پنجرے میں رکھے۔ پھر وہ
سرو گل اندام روبرو لٹکائے رکھتی تھی۔ اور رات کو پنجرے سے نکال کر آدمی بنالیتی تھی۔ اور
صبح تک اس کی صحبت سے انواع و اقسام کی کیفیتیں اٹھاتی۔ کچھ مدت اسی طرح گذر گئی۔
اور یہ بات چھپی رہی۔ آخرش عشق اور مشک سے ظاہر ہوئے نہیں رہتا۔ کچھ بو اس کے
یہاں کی حسن آرا تک پہنچی۔ ایک دن تڑکے اس کے سن گن لینے آئی۔ جب وہ
روح افزا کے پاس آنکلی۔ دیکھا۔ کہ اس کی زلف مشکین کا طور ہی طور ہے۔ اور سیب
زنخداں کا رنگ اور ہے۔ نسترن رخسار کی رنگت گل سے۔ اور نرگس نیم خواب کی کیفیت
جام سی دیکھی۔ پشواز کی چولی کی حالت اور طرح کی پائی۔ اور انگیا کی صورت کچھ
اور ہی نظر آئی۔ سمجھی کہ اس کا یاقوت کسی الماس سے ٹکرایا ہوا ہے۔ اور بھونکا نسیم
کا بلا شبہ اس کے غنچہ دل کو لگا۔ دوڑ کر غصہ سے دو ہتڑ پیٹھ پر مارا۔ اور کہنے لگی۔ اے
نعلامہ کل کا نام ڈبویا۔ کیا غضب کیا۔ تو نے کس سے آنکھ لگائی۔ تجھے غیر مرد سے حیا
نہ آئی۔ لعنت تیری زیست پر۔ چلو بھر پانی میں ڈوب مر۔ تیری رسوائی کا نقارہ بج گیا۔
تو نے باپ کا نام خراب کیا۔ سچ بتا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ نہیں تو ابھی تجھے جان سے مار ڈالوں
گی۔ اور جیتا نہ چھوڑوں گی۔ روح افزا ڈر سے تھرتھراتی تھی۔ اور کہتی تھی۔ اماں جی مجھے
تیرے سر کی قسم جو میں نے کسی مرد سے کو ہی دیکھا ہو۔ تو آنکھیں پھوٹیں۔ یہ فقط تہمت
ہے اور صاف بندش ہے۔ تم کیسی ماں ہو۔ جو کہ بیٹی کو تہمت لگاتی ہو۔ اور لوگوں کے
کہنے سننے پر جاتی ہو۔ غرض اس نے ہرچند قسمیں کھائیں۔ اور بہتیری باتیں بنائیں۔ مگر
اس نے بالکل باور نہ کیا۔ بلکہ درپے اس کے ہو گئی۔ کہ جس چور نے اس کا گھر میں نقب
لگائی ہے۔ اسے پکڑنا چاہیے۔ اور اچھی طرح سزا دینی چاہیے۔ ہزاروں جاسوس اور
عیاروں نے زمین و آسمان ڈھونڈھ مارا۔ لیکن گھر کے بھید سے کار از کسی پر نہ کھلا۔

عزیز تو عرش پر کس کے ڈھونڈھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جو تیرے خانۂ دل میں ہے۔ اس کی تجھے خبر ہی نہیں ہے۔ واہ واہ۔ دور کا دھیان اور نزدیک آپ سے اے جان۔ شعر کون ہے گو میں جب اتنی نہیں تجھ کو خبر۔ پھر تو جانے کیا کہ کیا ہے اوج چرخ جام پر۔ القصہ حسن آرا نے جستجو کر کے۔ روح افزا کے خواصوں کو دھمکا کر مظفر شاہ کے غصے غضب سے ڈرایا۔ جب ایک خاص کہ نام اس کا گلرخ تھا۔ اس کے نزدیک آ کر یوں کہنے لگی کہ اس خلوت سرا کا بھید ہم پر کیوں کھلے۔ نہ وہاں تک گذر نہ دیدہ بان بینا۔ شعر۔ اسکے منہ کو دیکھنے کو دیدۂ دل چاہیئے۔ چشم ظاہر بین ہماری دید کر سکتی نہیں۔ لیکن ان دنوں تمہاری صاحبزادی صبح و شام اس قمری سے مشغول رہتی ہے۔ اور اس کے پنجرے کو ایک دم بھی اپنے سے جدا نہیں کرتی۔ ظاہر میں تو پرند ہے۔ اور باطن کی ہم کو اصلاً خبر نہیں۔ پس اپنا طائر قیاس آگے نہیں اڑ سکتا ہے۔ مگر ملکہ تو اڑتی چڑیا کو پہچانتی تھی۔ اس کے کنہ کو سمجھ گئی۔ اے نادان! السبب علاقہ روح سبزہ زار دنیا کی سیر کو آتا ہے۔ جب تک یہ مرغ طلسم عناصر اس کے گلے میں پڑے۔ اور قفس وجود میں طوق بندگی کا اس کا گلوگیر ہے چشم ظاہر بین مشت خاک کے سوا کچھ نہیں دیکھتی۔ جس دن یہ طلسم ٹوٹ گیا کیفیت اس کی کھل جائے گی۔ کہ وہ کون ہے۔ اور یہ نیرنگ کیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ جب لوگ آئیں گے اس حال سے آگاہ ہوں گے۔ وجود ایک دریا ہے۔ اور ہر موج جو مثل حباب ہے۔ جب حباب سے ہوا نکل گئی۔ دریا کے سوا کچھ نہیں رہا۔ بس تامل سے دیکھ کہ اصل ہستی دریا کی ہے۔ لیکن مرتبہ البتہ حباب کا ہے۔ حباب کو کوئی دریا نہیں کہے گا۔ اور نہ دریا کو حباب۔ اور کعبہ کو قبلہ کہتے ہیں۔ اور بت خانہ کو کنشت۔ اور جہنم کو دوزخ۔ اور جنت کو بہشت۔ شعر۔ ہر ہر مرتبے میں اور ہی حکم وجود ہے۔ زندیق ہے جو حفظ مراتب کرے نہ تو۔ واقعی مسئلہ وحدت وجود کا مشکل ترین مسائل سے ہے۔ اور بہتیرے اس بحر عمیق میں گر کے مذہب جبری کے بھنور میں جا پڑے۔ اور اکثر مسلک دہری کے گرداب میں ڈوبے۔ ہادی یہاں فضل الٰہی اور کرم رسالت پناہی کے سوا کوئی نہیں ہے۔

قصہ کوتاہ حسن آرا نے روح افزا کی نشستگاہ میں جا کر اس پنجرے کو اتار لیا۔ اور یار ادہ لیے جانے کا کیا کہ روح افزا اس کو شاہین کے چنگل میں دیکھ کر کلیجہ پکڑ کے رہ گئی۔ منہ سے تو

مارے لحاظ کے بول نہ سکی۔ پر طائرِ روح اس کا قفسِ تن میں تڑپنے لگا۔ ہر چند تڑپا۔ لیکن قضاو قدر کے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکا۔ غرض اس بے پر کو وہ پری لے اُڑی۔ اور منظفر شاہ کے روبرو اس کا پنجرا رکھ دیا۔ بادشاہ نے پر وبال تمام کھولے۔ آخر گلے پر جو ہاتھ پڑا تو ایک تعویذ بندھا ہوا نظر آیا۔ اسکو جو کھولا تو بہرام آدمی بن گیا۔ حاضرینِ مجلس سخت متعجب ہوئے بادشاہ آتشِ غضب سے جل کر کباب ہوگیا۔ اور کہنے لگا اے بدذات نابکار تو غضبِ سلطانی سے نہ ڈرا اور اپنے جی میں کچھ نہ سوچا۔ سچ کہو۔ اس جزیرہ میں تجھے کون لایا۔ اور بادشاہوں کے محل میں کس نے پہنچایا۔ اور اس ڈھٹائی اور بے پرواہی کا ثمرہ تو ہلاکت کے سوا کچھ نہ پائے گا۔ اور اس کی سزا میں جان سے جائے گا۔ بہرام بولا کہ عاشقوں کا مرنا جذبہ اشتیاق ہے۔ اور انہیں کی سزا اور تکلیف مالایطاق ہے۔ اس عشق کی وہ زنجیر نہیں ہے کہ کوئی آپ سے پاؤں میں ڈالے اور با اختیار گرفتار ہو۔ عاشقوں نے رشتہ اختیار سے توڑا ہے۔ اور بے اختیاری سے جوڑا ہے۔ جس نے زندگانی سے ہاتھ دھوئے اسے موت سے کیا خطرہ ہے۔ ڈرنے اپنی جان کی کیا پرواہ ہے۔ مگر حسرتِ دیدار جی میں رہے گی۔ اور گور پر سے خون آنکھوں سے بہے گی۔ شعر

موت سے ہرگز نہیں ڈرتا نہ کچھ غم ہے مگر گلرو کی دید سے محروم میں رہ جاؤنگا

آخر منظفر شاہ کا شعلہ غضب ابھر گیا۔ کہ لوگوں سے فرمایا۔ اس آتش کے پرکالہ کو شہر سے دور لیجا کر آگ میں ڈال دو۔ اور جلا کر خاک سیاہ کر دو۔ اتفاقاً تاج الملوک اور بکاؤلی گلستانِ ارم کی سیر کو آتے تھے۔ جس مقام سے جزیرہ فردوس نزدیک رہ جاتا ہے۔ وہاں پہنچے۔ جی میں آیا۔ کہ چلو روح افزا کو بھی دیکھیں۔ اور دو دن وہاں کی سیر کریں۔ القصہ جزیرۂ فردوس کی طرف پھرے اور وہاں آ نکلے۔ کہ جہاں لکڑیوں کا انبار لگا تھا۔ اور بہرام اس پر بیٹھا تھا۔ بلکہ چاروں طرف سے آگ دے چکے تھے۔ جونہی بکاؤلی نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی۔ اور آگ بھڑکی ہوئی اسے نظر آئی۔ تخت اپنا قریب لے جا کر وہ پوچھنے لگی کہ یہ کیا ہنگامہ ہے۔ کوئی بول اٹھا۔ کہ روح افزا کے عاشق کو جلاتے ہیں۔ اس بات کے سنتے ہی تخت سے اتر کر آگے بڑھی۔ کیا دیکھتی ہے۔ کہ بہرام ہے۔ فی الفور بکاؤلی نے کہا کہ جلد اس آگ کو بجھاؤ۔ اور اس جوان کو اسمیں سے نکالو۔ اگر اس کا ایک رُواں جلا تو سینکڑوں کے سر جلا دوں گی۔ بلکہ اس کا گھر کا گھر خاک میں ملا دوں گی۔ سب لوگ ڈر گئے اور

آگ کو بجھا دیا۔ اور بہرام کو نکال کر شہزادی کے حوالے کیا وہ اس کو ہمراہ لے کر ایک باغ میں جا اُتری۔ پھر تاج الملوک اور بہرام کو وہاں چھوڑ کر آپ مظفر شاہ اور حسن آرا کے پاس گئی۔ جھک کر سلام کیا۔ انہوں نے اسے چھاتی سے لگایا اور خیر و عافیت پوچھی۔ اور آنے کی حقیقت۔ بکاؤلی نے کہا۔ میرا بے اختیار آپ کے اور چچی جان کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے سوا خیریت ہے۔ لیکن راہ میں عجب ماجرا دیکھا ہے۔ کہ میرے سسرے کے وزیرزادے کو لوگ جلایا چاہتے تھے۔ اگر میرے آنے میں اور ایک دم کا توقف ہوتا۔ تو وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ اور اپنے ماں باپ کو دنیا سے کھو جاتا۔ اگرچہ جرم ناسب کا بُرا ہے خصوصاً ایسے جوان شکیل کا۔ فی الواقعہ تقصیر بھی ایسی ہوئی تھی۔ لیکن اس طرح کی سزا اب فائدہ نہیں رکھتی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ میں نے فرض کیا کہ آپ نے اسے ... لیکن کلنک کا ٹیکہ تو نہ مٹے گا۔ اب تو سو جانتے ہیں۔ پھر سزا ر جائیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ اس کی تقصیر معاف کیجیے۔ اور روح افزا کو اس کے ساتھ بیاہ دیجیے۔ کیونکہ بہرام بہادر طرحدار اور قابل تعریف ہے۔ اس میں کچھ مضایقہ نہیں۔ وزیر اور بادشاہ میں ہمیشہ سے رشتہ آیا ہے۔ اور جو انسان آپ کو حقیر جانتے ہیں۔ تو پھر مجھ کو تاج الملوک کے ساتھ کیوں بیاہا۔ بیٹی اور بھتیجی میں کیا فرق ہے۔ مظفر شاہ نے یہ باتیں سنکر سر جھکا لیا۔ اور کہا بہت بہتر ہے۔ تم ... پھر وہاں سے روح افزا کے پاس آئی۔ دیکھا کہ وہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے۔ سر جھکائے۔ غم بیمار سا ... بیٹھی ہے۔ بکاؤلی اس سے ہنس کر بولی۔ واہ واہ رے گھنگھنی کہاں جا کر منہ نگاہ لگائی ہے پناہ مانگیے۔ اور ڈریئے مجھ سے۔ اور تیرے دبدبے سے۔ بس اب اٹھ کنگھی چوٹی کر بول۔ کپڑے بدل۔ حجرے سے باہر نکل۔ میں تیرے چاہنے والے کو سلامت لے آئی ہوں۔ اب کوئی دن میں دل کھول کر ملیو۔ اور ہمیشہ عیش کیجیو۔ روح افزا بہن کی ان باتوں سے مسکرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اور بلائیں لے کر گلے سے لپٹ گئی۔ رات کی رات تو بکاؤلی وہاں ہی رہی۔ صبح کے وقت روح افزا کو مظفر شاہ اور حسن آرا کے پاس لے گئی۔ اور معافی دلوائی۔ پھر اُس کو مانوں بٹھا کر تاج الملوک اور بہرام کو لے کر جزیرہ ارم میں پہنچی۔ اور یہ معاملہ من و عن اپنے ماں باپ کے گوش گذار کیا۔ پھر ان ... کی وہ جس دھوم سے تاج الملوک کو بیاہنے آئے تھے۔ اسی طرح تم بھی بہرام کو بیاہنے